اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ اِلٰی قولہ تعالیٰ

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ

وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ فقلت یا رسول الله لو طلقتها ثلاثا کان لی ان ارجعها؟ قال اذا بانت منك وكانت معصية

(مجمع الزوائد جزء ۴ ص ۳۳۶)

عُمدةُ الاثاثِ

فی حُکمِ

الطّلقاتِ الثّلاث

مؤلّفہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ

ناشر

مکتبہ صفدریہ

نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ پاکستان

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ اِلٰی قولہ تعالیٰ
فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ

وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ فقلت یا رسول اللہ لو طلقتہا ثلاثا کان لی ان اراجعہا ؟ قال اذا بانت منک وکانت معصیۃ

(مجمع الزوائد، جزء ۴ صفحہ ۳۳۶)

عُمْدَةُ الْاَثَاثِ

فِیْ حُکْمِ

الطَّلَقَاتِ الثَّلَاثِ

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث اور جمہور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ اور ائمہ اربعہؒ اور امت مسلمہ کے مسلّم فقہاء کرامؒ اور محدثین عظامؒ سے باحوالہ یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ ایک مجلس میں یا ایک ہی کلمہ سے دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ یہی حق اور یہی صحیح ہے۔ اور جن حضرات نے بعض روایات سے غلطی کھا کر تین طلاقوں کو ایک قرار دیا ہے۔ ان کے تسلی بخش جوابات بھی بفضلہ تعالیٰ باحوالہ عرض کر دیئے گئے ہیں جو ماننے والوں کے لیے موجب بصیرت ہوں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ) اور نہ ماننے والوں کے لیے اتمام حجت ہونگے۔ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ

ابو الزاہد محمد سرفراز

طبع پنجم ——— ستمبر ۲۰۰۲ء

نام کتاب ——— عمدۃ الاثاث (مسئلہ طلاق ثلاثہ)

مؤلف ——— شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدہم

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع ——— مکی مدنی پرنٹرز لاہور

ناشر ——— مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

قیمت ——— تینتیس ۳۳ روپے

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی نمبر ۱۶
☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ، بنوری ٹاؤن کراچی
☆ مکتبہ حقانیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
☆ مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
☆ مکتبہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
☆ دار الکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ مینگورہ سوات
☆ مکتبہ العارفی جامعہ امدادیہ فیصل آباد
☆ مکتبہ امدادیہ حسینیہ پنڈی روڈ چکوال
☆ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ لکی مروت
☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
☆ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد
☆ مکتبہ رحمانیہ محلہ جنگی پشاور
☆ مکتبہ حنفیہ فاروقیہ اردو بازار گوجرانوالہ
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکھڑ

فہرست مضامین

تصدیق

افضل العلماء الراسخین عمدۃ المصنفین داماد حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری
سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ تعالیٰ
حضرت مولانا سید احمد رضا شاہ بجنوری مؤلف انوار الباری شرح صحیح البخاری دامت برکاتہم

بسم اللہ، حامداً و مصلیاً و مسلماً

ماہ دسمبر ۱۹۸۰ء و جنوری ۱۹۸۱ء میں سفر پاکستان کا موقع میسر ہوا جس کی ایک عرصہ سے تمنا تھی، مقصد سفر محض علمی و دینی تھا تاکہ وہاں کے علمی و دینی اداروں کی زیارت اور اہل علم و دانش سے علمی استفادات کروں، خدا کا شکر ہے اس مقصد میں کامیابی ہوئی بہت سے علمی ادارے دیکھے اور اکابر علماء و اعیان سے ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا، ان میں لاہور، کراچی، لائلپور، سرگودھا، گوجرانوالہ، ساہیوال اور کراچی کے علمی معاہد خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور اکابر علماء پاکستان میں سے اس وقت مجھے حضرت مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خان صاحب صفدر دام ظلہم کا ذکر کرنا ہے جنھوں نے علوم حدیث اور رد فرق باطلہ کے لیے نہایت قابل قدر محققانہ تالیفات کی ہیں۔

اپنے سفر کے دوران ہی مجھے موصوف کی تالیف "عمدۃ الاثاث فی حکم طلقات الثلاث" پڑھنے کا موقع میسر ہوا جو مختصر ہونے کے ساتھ ایک مجلس یا ایک کلمہ کے ذریعہ تین طلاق دینے کے بارے میں جمہور سلف و خلف کی تائید میں نہایت بیش قیمت ذخیرہ ہے سب جانتے ہیں کہ جمہور کے فیصلہ کے خلاف آٹھویں صدی میں علامہ ابن تیمیہؒ نے بڑے زور شور سے آواز اٹھائی تھی، جس کی تردید خود اکابر حنابلہ نے بھی کی تھی۔ البتہ علامہ ابن قیمؒ نے دوسرے انفرادی مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی اپنے استاذ محترم کی تائید کی تھی، جن پر اس کے ساتھ دوسری تفردات کی وجہ سے بھی حکومت وقت کی طرف سے سخت تشدد روا رکھا گیا تھا اور ابن قیمؒ کو خاص اس طلاق کے مسئلہ پر حکومت وقت نے اونٹ پر بٹھا کر درے مار مار کر شہر میں گشت کرا کے سخت توہین کے بعد سزائے قید بھی دی تھی کیونکہ اس وقت تک تین طلاق کو ایک قرار دے کر شوہر کے لیے مطلقہ ثلاثہ کو حلال قرار دینا نہ صرف جمہور کے خلاف تھا بلکہ وہ روافض کا شعار بھی تھا۔

آٹھویں صدی کے تمام علماء مذہب و سلاطین اسلام کے متفقہ فیصلوں کی وجہ سے یہ فتنہ دب گیا تھا، مگر تقریباً پانچ سو سال کے بعد ہند و پاک کے اہل حدیث نے اس فتنہ کو پھر سے جگانے کی کوشش کی اور اب انکی ہمنوائی جماعت اسلامی کے بھی بعض افراد نے کی جس کے جواب میں حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نے اردو میں مبسوط و مدلل رسالہ لکھ کر شائع کیا اور مرحوم مولانا عامر عثمانی نے بھی ماہنامہ تجلی کے تین ضخیم نمبر نکالے تھے جن میں اہل حدیث و جماعت اسلامی والوں کی ایسی لاجواب دید کی تھی کہ باید و شاید۔

اب پاکستان جاکر معلوم ہوا کہ دوسرے فتنوں کی طرح وہاں بھی اس فتنہ کی آبیاری کی گئی تھی جس کے لیے مولانا موصوف کو اوپر کا رسالہ لکھنا پڑا، اور اس سے علماء و عوام سب مستفید ہوئے، چونکہ اب اس کا نیا ایڈیشن بھی شائع ہونے والا ہے اس لیے میں نے مناسب خیال کیا کہ چند سطریں اس کی تائید میں لکھوں۔

بطور خوشخبری و بشارت کے یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ چند سال قبل ادارات بحوث علمیہ، افتاء و دعوت و ارشاد ریاض کے سامنے بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا تھا اور وہاں کے تمام اکابر علماء داعیان نے یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ طلاق ثلاث والے مسئلہ میں حق جمہور ہی کے ساتھ ہے اور علامہ ابن تیمیہؒ و ابن القیمؒ کی رائے قابل نفاذ و عمل نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی مکمل بحث سہ ماہی مجلہ بحوث اسلامیہ، دارالافتاء ریاض (سعودیہ) کے ۳ جلد اول میں شائع ہو گئی ہے اور سعودی حکومت کے تمام قضاۃ و حکام جمہور کے موافق ہی فیصلے کرتے ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

اسی مبارک سفر میں حضرت شیخ الحدیث موصوف کا رسالہ احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام (جدید ایڈیشن) بھی مطالعہ کیا جس میں انھوں نے مکمل اور مدلل طور سے واضح کر دیا ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءۃ فاتحہ کی فرضیت و وجوب کو ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا جس کے مدعی ہند و پاک کے اہل حدیث (غیر مقلدین) مدعی ہیں اور ان کا یہ دعویٰ امام احمدؒ کے اس قطعی فیصلہ کے بھی خلاف ہے کہ اہل اسلام میں کوئی شخص بھی اس امر کا قائل نہیں ہوا کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی حیرت ہے کہ کتنے ہی مسائل اصول و فروع میں امام احمدؒ کے خلاف فیصلے کرنے والے یہ لوگ حکومت سعودیہ سے لاکھوں کروڑوں ریال حاصل کرتے ہیں۔ اگرچہ اب انکی تلبیسات کا پردہ بھی چاک ہونا شروع ہو گیا ہے۔ پاکستان کے حالیہ قیام میں جن حضرات اکابر علماء امت کی علمی و تالیفی گراں قدر خدمات سے مطلع و متاثر ہوا ہوں ان میں حضرت مولانا سرفراز خان صاحب عم فیضہم کا بہت نمایاں مقام ہے اور ہم سب ہند و پاک کے مسلمان ممنون ہیں کہ وہ اہل باطل کے رد میں بہت بڑا فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں انکے قلم میں نہ صرف استدلال و بیان کی قوت ہے بلکہ نہایت اعتدال و وقار بھی ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔ نہایت عجلت میں چند سطور لکھی ہیں۔ واللہ الموفق؛

احمد رضا عفا اللہ عنہ

(مؤلف انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری۔ مکتبہ ناشر العلوم۔ بجنور، ۱۵ فروری ۱۹۷۱ء)

دیباچہ طبع دوم

الحمد للہ تعالیٰ کہ عمدۃ الاثاث فی حکم الطلقات الثلاث کو بہت ہی بڑا حسن قبول حاصل ہوا علمی تعلیمی اور تحقیقی نقطۂ نظر سے مسائل کی جستجو کرنے والے حلقوں نے خصوصیت کے ساتھ اسکی بہت ہی زیادہ قدر افزائی کی ایک مجلس اور ایک کلمہ کے ساتھ دی گئی اکھٹی تین طلاقوں کے مثبت اور منفی پہلو کو دلائل اور براہین کے ساتھ یکجا مرتب طور سے دیکھ کر سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی سے رستگاری حاصل کر لی اور یوں سمجھے کہ اس مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پر لکھی گئی بیشمار کتابوں کا خلاصہ، نچوڑ اور ملخص اس میں آگیا گویا بحمد اللہ تعالیٰ یہ کتاب دریا در کوزہ کا مصداق ہے اور جید اور مدرس قسم کے علماء کرام نے نہ صرف یہ کہ اس پر داد تحسین ہی دی بلکہ اس سے انہوں نے استفادہ بھی کیا اور بقول بعض حضرات کے اس سے ان کے کئی علمی شبہات رفع ہو گئے۔ وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

اجلاس صد سالہ دار العلوم دیوبند (انڈیا) ۳، ۴، ۵ رجادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ ۲۱، ۲۲، ۲۳ ، مارچ ۱۹۸۰ء کو منعقد ہوا۔ راقم اثیم کو بھی شرکت کا موقع اور شرف حاصل ہوا راقم اثیم اپنے برادر عزیز صوفی عبد الحمید سلمہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں دیوبند میں حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب دام مجدہم (جو حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند ہیں) کے دولت کدہ پر ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہاں پاک و ہند کے مقتدر علماء کرام اور پروفیسر حضرات خاصی تعداد میں جمع ہیں راقم اثیم نے جب اپنا نام بتایا تو حضرت شاہ صاحب دام مجدہم بڑی محبت اور عقیدت سے اُٹھ کر ملے اور بھری مجلس میں یہ فرمایا کہ یہ امیر الموحدین ہیں جنہوں نے توحید و سنت پر مخلص اور مدلل علمی کتابیں لکھی ہیں اور یہ عمدۃ الاثاث کے مصنف ہیں جس کے ذریعہ بعض علماء کرام کے شکوک و شبہات دور ہو گئے ہیں کثرت اجوم کی وجہ سے زیادہ وقت حضرت شاہ صاحب موصوف سے گفتگو کا

نہیں مل سکا لیکن حضرت شاہ صاحب موصوف کے ان جملوں سے یہ بات بالکل آشکارا ہو

جاتی ہے کہ حضرت نے جو خود بھی بہترین مدرس اور محقق عالم ہیں اس کتاب کو بہت پسند فرمایا ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا خصوصی انعام و احسان ہے ورنہ راقم اثیم کس شمار میں ہے ؟ مشہور ہے کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا ۔ من آنم کہ من دانم ۔

کچھ عرصہ ہوا ہے کہ بعض مخلص ساتھیوں نے راقم اثیم کو ماہنامہ ترجمان الحدیث لاہور ماہ مارچ ۱۹۸۰ء کا پرچہ لاکر دیا جس میں ص۲۳ سے ص۳۴ تک ایک مجلس کی تین طلاقوں پر مضمون لکھا گیا ہے جس میں مضمون نگار نے وہی کچھ پیش کیا ہے جو ان کے بیشتر بزرگ پیش کرتے رہے ہیں جن کا تانا بانا اور دلائل کی کائنات اصولی طور پر عمدۃ الاثاث میں خوب اُجاگر کی گئی ہے لہذا ان کو الگ تحریر کر کے ان کی تردید کرنے کی مطلقاً ضرورت نہیں ہے ۔

البتہ ایک عبارت قدرے مغالطہ آفرین اور قابل توجہ ہے مضمون نگار پہلے اس مسئلہ سے بالکل غیر متعلق آیت کریمہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ الآیۃ نقل کر کے پھر حضرت رکانہؓ کی ضعیف حدیث بیان کر کے (جس کی قدرے تفصیل سے بحث اس پیش نظر کتاب میں درج ہے) اس سے بزعم خود استدلال کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں قرآن و حدیث کے ان واضح (غیر متعلق اور سنداً غیر صحیح ۔ صفدر) دلائل اور مذکورہ معاشرتی پیچیدگیوں کے حل کے جذبہ صادقہ نے ہی اس دور کے بہت سے حنفی علماء کو اس مسئلے پر از سر نو غور کرنے پر مجبور کیا اور پھر انہوں نے مجلس واحد کی تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنے کا نہ صرف فتویٰ دیا بلکہ اس مسلک کی پرزور حمایت و وکالت بھی کی ہے ان علماء میں سر فہرست مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر ماہنامہ برہان دہلی ۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت ۔ مولانا شمس پیرزادہ امیر جماعت اسلامی مہاراشٹر ۔ مولانا سید حامد علی سیکرٹری جماعت اسلامی ہند مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی فاضل دیوبند اور مولانا کرم شاہ ازہری مدیر ماہنامہ ضیائے حرم سرگودھا (پاکستان) ہیں ان کے علاوہ متعدد عربی علماء نے بھی اس کی تائید کی ہے کئی اسلامی ممالک نے بھی جن میں پاکستان کے علاوہ مصر اردن عراق اور دیگر کئی ممالک ہیں یہی قانون بنایا ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں گی ۔

چنانچہ سب سے پہلے مصر نے ۱۹۲۹ء میں آن واحد کی تین طلاقوں کے اصول کو ختم کر کے یہ

قانون بنایا کہ متعدد طلاقیں صرف ایک طلاق ہوں گی اور وہ رجعی ہوگی اسی قسم کا قانون سوڈان نے ۱۹۳۵ء میں اور اُردن نے ۱۹۵۱ء میں نافذ کیا (کتاب ایک مجلس کی تین طلاقیں قرآن و سنت کی روشنی میں ص۶۸ و ص۶۹ طبع بھارت)

اگرچہ اسلامی ممالک کا قانون شرعی حجت کی حیثیت نہیں رکھتا تاہم اس سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ طلاق ثلاثہ سے جو معاشرتی پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں ان کا حل سنجیدگی سے سوچنے والوں کو وہی نظر آیا ہے جو اسلام کے بالکل صدر اول میں تھا الخ (ترجمان الحدیث ص۲۹ و ص۳۰ ماہ مارچ ۱۹۸۰ء لاہور)

الجواب :- اسلامی ممالک کے قانون کا خود فاضل مرتب نے معقول جواب دیدیا ہے اور ہمارا بھی اس پر صاد ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک کا قانون شرعی حجت کی حیثیت نہیں رکھتا الخ سوال یہ ہے کہ جب اسلامی ممالک کا قانون شرعی حجت کی حیثیت نہیں رکھتا تو اس کے ساتھ اگرچہ مگرچہ لگا کر کیا وہ شرعی حجت کی حیثیت اختیار کر سکتا ہے؟ معاف رکھنا جو ایک خالص دینی اور شرعی مسئلہ ہے اور جس کا ثبوت ظاہر قرآن کریم کے علاوہ صحیح اور صریح احادیث سے ہے اور جس پر حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ اربعہؒ اور محدثین کرامؒ اور جمہور امت کا اجماع واتفاق ہے وہ اگرچہ مگرچہ کے غیر شرعی قانون سے کیسے متاثر ہو سکتا ہے؟ اس پر اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کہتے عقلمند کو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے اور جن علماء کرام کے نام درج ہیں وہ اصولاً تین قسموں میں منقسم ہیں ایک تو جماعت اسلامی کے بزرگ ہیں جن کو تیرے جناب مودودی صاحب نے دینی مسائل میں ایسا بے باک اور بے لگام کر دیا ہے کہ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں اور جن میں اکثریت غیر مقلد ذہن کی حامل ہے ان پر نہ تو اس مسئلہ میں کوئی گلہ وشکوہ ہے اور نہ کسی اور مسئلہ میں وہ بادشاہ ہیں جو چاہیں کہیں دوسرے پیر کرم شاہ صاحب ہیں جو باوجود بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے کے جامع الازہر کے فارغ بھی ہیں ان پر جامع الازہر کے بعض بے دین اور آزاد خیال بلکہ ملحد قسم کے اساتذہ (مثلاً شیخ محمود شلتوت جو سیدنا حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات کے منکر اور ان کی

وفات پر منحصر ہیں) سے متاثر ہونا کوئی بعید بات نہیں کیونکہ استاد روحانی باپ ہوتا ہے اور الولد سر لابیہ مشہور ہے لہذا ان حضرات کے مضامین سے اہل علم حضرات پر اور خصوصاً علماء احناف پر تو قطعاً کوئی زد نہیں پڑتی اور اہل حق کے نزدیک ان حضرات کے بے جان اور بے وقعت فتوے مچھر کے پر کی حیثیت بھی نہیں رکھتے البتہ تین بزرگوں کے فتوؤں سے ضرور تردد ہو سکتا ہے اور ذہن میں بھی ہولے ہے کہ ان حضرات نے جو خود کو حنفی اور دیوبندی کہلاتے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ علم و بصیرت سے بھی بہرہ ور ہیں کیا کر ڈالا ہے؟ اور ایک اجماعی مسئلہ اور اپنے اکابر کی کیوں مخالفت کی ہے؟ سو ہمیں اس کی جستجو ہوئی اور من جد وجد جوئیندہ یابندہ بحمد اللہ تعالیٰ ہمیں ایک کتاب مل گئی جس کا نام ہے۔ مجموعہ مقالات علمیہ دربارہ ایک مجلس کی تین طلاقیں جو لاہور سے طبع ہوئی ہے اس کے پڑھنے سے ذیل کی باتیں وضاحت کے ساتھ ہمیں مل گئیں۔

۱۔ تطلیقات ثلاثہ کے موضوع پر ۴، ۵، ۶، ۷ نومبر ۱۹۷۳ء کو اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد (انڈیا) کی طرف سے ایک سیمنار منعقد کیا گیا۔ (ص۷)

۲۔ اس میں ذیل کے حضرات مدعو اور مقالہ نگار تھے: ۱۔ مولانا محفوظ الرحمٰن (فاضل دیوبند) ۲۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ۳۔ مولانا مختار احمد صاحب ناظم جمعیتہ اہل حدیث بمبئی ۴۔ مولانا عبد الرحمٰن صاحب ۵۔ مولانا سید احمد صاحب ۶۔ مولانا سید حامد علی صاحب ۷۔ مولانا شمس پیرزادہ صاحب (محصلہ) (ص۸) ان میں سے دو دیوبندی ہیں دو غیر مقلد ہیں اور تین جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں ہاں البتہ صدر مجلس مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندی ہیں۔

۳۔ صدر مجلس مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی اپنی مصروفیات کے باعث مقالہ مرتب نہ کر سکے تھے اس لیے انہوں نے مقالات کی خواندگی کے اختتام پر تقریر کی شکل میں اپنے خیالات پیش فرمائے صدارتی تقریر کے بعد مسئلہ مذکورہ پر بحث و تمحیص کا آغاز ہوا الخ۔ اور ص۱۷۰ سے ص۱۸۰ تک ان کا خطبہ صدارت منقول ہے اس میں ص۱۷۹ میں مولانا موصوف کا بیان ہے کہ تطلیقات ثلاثہ کے باب میں کہا جاتا ہے کہ اس پر اجماع ہے لہذا ترمیم کی گنجائش نہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے یہ اجماع اس قسم کا نہیں ہے کہ اس کے بعد

کلام کی گنجائش نہ ہو بلکہ یہ اجماع سکوتی ہے۔ بلفظہٖ۔

اس عبارت میں مولانا موصوف نے صاف طور پر یہ تسلیم کیا ہے کہ تین طلاقوں کے تین ہونے پر اجماع ہے لیکن یہ اجماع قطعی نہیں اجماع سکوتی ہے اور اس میں کلام کی گنجائش ہے قارئین کرام کو ہم اس وقت کتب اصول فقہ کی سیر کرانے کے درپے نہیں کیونکہ یہ خاصا طویل الذیل مضمون ہے ہم اس مقام پر صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ اجماعِ سکوتی صرف اجماع ہی نہیں جس میں کلام کی گنجائش ہو بلکہ یہ اجماع احادیث صحیحہ اور صریحہ پر مبنی ہے جب تک احادیث سامنے نہ تھیں اس وقت تک اس مسئلہ میں اختلاف ہوتا رہا لیکن احادیث سامنے آگئیں اور اجماع ہوگیا تو پھر کسی کے لیے اس میں کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور پھر آگے ص۱۷۹ میں مولانا موصوف فرماتے ہیں۔ تطلیقات ثلاثہ کے مسئلہ میں حنفی نقطۂ نظر یہ ہے (بلکہ حضرات ائمہ اربعہؒ کا اس پر اتفاق ہے جیسا کہ اسی پیشِ نظر کتاب میں باحوالہ کر رہے۔ صفدر) کہ یکجائی تین طلاقیں تین ہی پڑیں گی لیکن احناف کی کتابوں میں یہ بھی ہے کہ ایک سے زیادہ طلاق اگر تاکید کے لیے ہے یا نیت تین دینے کی نہیں تھی تو تین واقع نہیں ہوں گی قاضی خان میں فارسی کی بحث موجود ہے یعنی خانت طالق کہنے کا اثر طلاق پر کیا پڑتا ہے لوگ جہالت کی وجہ سے تین طلاق دے دیتے ہیں لیکن ان کی نیت تین کی نہیں ہوتی اس لیے یہ مسئلہ قابل غور ہے اھ اس عبارت سے یہ بات تو بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا مفتی صاحب مطلقاً تین طلاقوں کو ایک کہنے کی جرأت اور جسارت نہیں کر سکے، تین کو ایک کہنے کے لیے وہ فقہی جزئیۂ تاکید اور تکرار کو آڑ بنا رہے ہیں اور توریہ سے کام لے رہے ہیں جس کو سطحی ذہن کے غیر مقلدین حضرات نہیں سمجھ سکے یا محض تلبیس کرتے ہوئے مطلقاً ان کو اپنا ہمنوا سمجھ رہے ہیں اور ہم مسلک قرار دے رہے ہیں۔ البتہ مفتی صاحب کی یہ عبارت کہ۔ یا نیت تین دینے کی نہیں تھی۔ الیٰ قولہٖ اس لیے یہ مسئلہ قابلِ غور ہے۔ انتہیٰ۔ قابل توجہ ہے حضرت مفتی صاحب کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صریح طلاق میں بھی (جس میں لفظ طلاق یا اس سے مشتق کوئی لفظ صراحۃً مذکور ہو اور اپنی منکوحہ بیوی کی خطاب

وغیرہ کی ضمیر سے تعیین وتشخیص بھی ہو ، نیت کی ضرورت ہے اور قاضیخاں میں انت طالق کی بحث موجود ہے اور لوگ جہالت سے تین دے دیتے ہیں لیکن نیت تین کی نہیں ہوتی لہذا مسئلہ قابل غور ہے لہذا ہم بھی قاضی خان کی چند عبارات نقل کر کے حضرت مفتی صاحب کے مفید مشورے پر عمل کرتے ہوئے غور وفکر کرتے ہیں اور قارئین کرام کو بھی غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں ۔ امام قاضیخان ؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو صراحۃً تین طلاقیں دیں اور اس نے یہ کہا کہ میں نے پہلی سے طلاق مراد لی ہے اور دوسری اور تیسری سے عورت کو سمجھانا ہے کہ تجھے طلاق ہو چکی ہے (اسی کو دوسرے حضرات تاکید تکرار ۔ اور حکایت وخبر وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں) تو طلاق ایک ہی ہوگی لیکن اس کی تصدیق دیانۃً ہوگی یعنی فیما بینہ ، وبین اللہ تعالیٰ مع الحلف عند البعض نہ کہ قضاءً قاضی تین ہی کا فیصلہ کریگا ۔ قاضیخان ج ۲ ص ۲۰۸ میں لکھتے ہیں کہ اگر مدخول بہا عورت سے کہا انت طالق انت طالق تو دونوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی ۔

ولا یصدق قضاءً ان قال نویت بالثانیۃ الخبر ۔	اور قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اگر اس نے یہ کہا کہ دوسری سے میری مراد خبر ہے ۔

اور نیز وہ لکھتے ہیں ۔

رجل قال لامرأتہ انت طالق انت طالق انت طالق وقال عنیت بالاولی الطلاق وبالثانیۃ والثالثۃ افہامھا صدق دیانۃً وفی القضاء طلقت ثلاثا (قاضیخان ج ۲ ص ۲۱۳ طبع نولکشور)	ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے اور اس نے کہا کہ میں نے پہلی سے طلاق مراد لی ہے اور دوسری اور تیسری سے عورت کو یہ بتایا ہے کہ تجھے طلاق ہو چکی ہے تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی مگر قضاءً تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی ۔

اور یہ جزیہ قاضیخاں ج ۲ ص ۲۱۳ نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ اور فتح القدیر ج ۳ ص ۱۴۹ طبع ہند میں بھی مذکور ہے ۔

اور اسی جزئیہ کے سہارے پر ہی حضرت مفتی صاحب اور دیگر فقہاء کرام نے تین کو ایک قرار دیا ہے اور یہ محل نزاع سے خارج ہے ۔

امام قاضیخان رح تحریر فرماتے ہیں کہ۔

ولو قال انت طال لا یقع شیٔ وان نوی لان حذف آخر الکلام معتاد فی العرب الی قولہ وھذا کلہ اذا قال انت طال لا بکسر اللام وان قال بکسر اللام یقع الطلاق وان لم ینو ویکون الاعراب قائماً مقام الحرف ھذا اذا لم یکن فی حال مذاکرۃ الطلاق ولا فی حالۃ الغضب وان کان فی حال مذاکرۃ الطلاق او فی حالۃ الغضب یقع الطلاق (قاضیخان ج ۲ ص ۲۱۴)

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو طال (یہ طلاق کا مرخم اور مخفف) ہے تو طلاق واقع نہ ہو گی اگرچہ نیت کرے اور عربی کلام میں آخری حرف کو حذف کر دینا معتاد ہے پھر آگے فرمایا اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ انت طال لام کے کسرہ سے (طالِ) نہ کہے اگر اس نے طالِ لام کے کسرہ سے کہا تو بلا نیت بھی طلاق واقع ہو جائے گی اور اعراب آخری حرف کے قائم مقام ہو جائے گا یہ بھی اس صورت میں ہے جبکہ زن و زوج میں طلاق کا تذکرہ نہ ہو رہا ہو اور غصہ کے حالت بھی نہ ہو اور اگر طلاق کا مذاکرہ ہو رہا ہو یا غصہ کی حالت ہو تو ہر کیف طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ اس کی نیت نہ بھی ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ پورا لفظ طلاق تو رہا الگ اگر کوئی شخص لفظ طال بھی کہے تو بلا نیت طلاق ہو جائے گی اور اگر مذاکرہ طلاق یا غصے کی حالت میں سکونِ لام کے ساتھ لفظ طال کہے تو تب بھی بلا نیت طلاق واقع ہو جائیگی غور فرمایئے کہ صریح لفظ طلاق کس طرح نیت سے مستغنی ہے اور فتاویٰ سراجیہ ص۴۲ طبع نولکشور میں بھی ہے ولو قال انتِ طالِ بکسر اللام طلقت بلا نیۃ۔ قاضیخان وغیرہ کی ایسی اور اتنی تصریح کے بعد بھی صریح طلاق میں نیت یا جہالت کا پیوند لگانا نہایت ہی تعجب انگیز بات ہے اور حنفی کہلانے والے کسی عالم اور مفتی کو یہ بات زیب نہیں دیتی چونکہ حضرت مفتی صاحب عمر رسیدہ بھی ہیں اور سیاسی اور دیگر مشاغل میں اُلجھے ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے کتب کی طرف مراجعت کر کے مقالہ لکھ بھی نہیں سکے اس لیے قاضیخان وغیرہ کی ایسی صریح جزئیات سے بالکل ذھول فرما گئے ہیں اور بڑھاپے اور کثرت مشاغل میں ایسا ہو جانا کوئی مستبعد امر نہیں ہے امام قاضیخانؒ ہی لکھتے ہیں کہ۔

رجل قال لہ امرأتہ طلقتك او انت مطلقۃ او شئت طلاقك او رضیت طلاقك او اوقعت علیك الطلاق او قال خذی طلاقك او قال وھبت لك طلاقك ولم ینو شیئاً یقع الطلاق (فتاوٰی قاضیخان ج۲ ص۲۰۱)

کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے یا کہا کہ تو مطلقہ ہے یا کہا کہ میں تیری طلاق چاہ چکا ہوں یا کہا میں تیری طلاق پر راضی ہو چکا ہوں یا کہا کہ میں نے تیرے اوپر طلاق واقع کر دی ہے یا کہا کہ تو اپنی طلاق لے یا کہا کہ میں نے تجھے تیری طلاق ہبہ کر دی ہے اور اس نے نیت نہ کی تو ان سب صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

اس عبارت میں بھی صریح طلاق کا اور بیوی کی تعیین کا ذکر ہے اور اس میں اس کی تصریح ہے کہ اگر نیت نہ بھی ہو تب بھی طلاق واقع ہو جائیگی فقہ حنفی کی ایسی واضح تصریحات کے ہوتے ہوئے یہ دعوٰے کرنا کہ صریح طلاق میں بھی اگر نیت طلاق کی نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہوتی خالص علمی مغالطہ ہے۔ صریح طلاق میں نیت کے شرط نہ ہونے پر اکثرین کا اجماع ہے مگر داؤد الظاہریؒ کا اختلاف ہے۔

کونہ لا یفتقر الی النیۃ فیہ اجماع الفقہاء الا داؤد (فتح القدیر ج۳ ص۱۶۱ طبع ہند)

ہاں اگر کنایہ کے الفاظ میں سے کسی لفظ سے طلاق ہو تو اس کا معاملہ الگ ہے وہ محل نزاع سے بالکل خارج ہے باقی حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب جو علامہ ابن حزمؒ وغیرہ کی پیروی میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر نیت نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہوتی تو صریح طلاق میں اس کا مطلب یہ لینا چاہیئے کہ ان کی عبارت میں حرف واو عطف و مغایرت کے لیے نہیں بلکہ تفسیر کے لیے ہے (یعنی عطف ذات نہیں بلکہ عطف صفت اور تفسیر ہے۔ اور شیخ النحاۃ امام سیبویہؒ نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے ملاحظہ ہو ابن کثیر ج۱ ص۲۹۲ وغیرہ) اور اس سے وہی تاکید اور تکرار اور حکایت والی صورت مراد ہو گی جو ایک اتفاقی چیز ہے اس کے علاوہ کوئی اور صورت مراد نہیں ہے غرض کہ لفظ طلاق بھی صریح ہو اور عورت کی بھی تعیین ہو کہ وہ طلاق دہندہ کی منکوحہ ہے تو اس صورت میں نیت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے بلا نیت بھی طلاق واقع ہو جائیگی ہاں اگر لفظ طلاق تو صریح ہو لیکن عورت متعین نہ ہو تو پھر بلا نیت طلاق نہ ہو گی۔ امام قاضیخانؒ ہی لکھتے ہیں۔

رجل قال امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم اعن به امرأتی یصدق (قاضیخان ص۲۱۵ ج۱)

کسی مرد نے کہا کہ عورت کو طلاق ہے یا یہ کہا کہ میں نے عورت کو تین طلاقیں دیں اور اس نے کہا کہ میں نے اس سے اپنی عورت مراد نہیں لی تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔

اس عبارت میں امرأۃ نکرہ ہے معرفہ نہیں لہذا عورت کی عدم تعیین کی صورت میں اگرچہ طلاق کا لفظ صریح ہے مگر اس کی نیت کا اعتبار ہوگا اور فقہی طور پر قاضی اس کی تصدیق بھی کرے گا الغرض صریح طلاق میں (جس میں طلاق کا لفظ بھی صراحۃً مذکور ہو اور منکوحہ بیوی ایں بھی تعیین ہو) نیت کی مطلقاً حاجت نہیں پڑتی اس میں بلانیت بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور حدیث ثلاث جدھن جد وھزلھن جد (جس کا اسی کتاب میں باحوالہ تذکرہ ہے) اس کی واضح دلیل ہے الحاصل مفتی صاحب تاکید کی صورت میں تین کو ایک قرار دیتے ہیں نہ کہ مطلقاً جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کو دھوکہ ہوا ہے۔ اور مفتی صاحب کی تقریر میں یہ جملہ بھی مذکور ہے کہ نقطۂ اتفاق تلاش کرنے پر زور دیا گیا تھا۔ ہر سمجھدار آدمی اس سے یہی سمجھتا ہے کہ صدر مجلس نے اس سیمنار کے بانی مبانی حضرات پر کاری ضرب لگائی ہے کہ افتراق مت پیدا کرو اتفاق کی طرف آؤ اور مطلقاً تین طلاقوں کو ایک قرار دیکر یہ راہ مت اختیار کرو اس کی وہی صورت اختیار کرو جو حضرات فقہاء کرام سے منقول ہے مگر غیر مقلدین حضرات ہیں جو دجل و تلبیس کی وجہ سے مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب کو مطلقاً اپنا ہمنوا قرار دے رہے ہیں فتاویٰ قاضیخان ج ۲ ص۲۱۹ تا ص۲۳۶ میں فائت طلاق کی تعلیق وغیرہ کی صورت میں بے شمار جزئیات مذکور ہیں مگر تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کی ایک جزئی بھی موجود نہیں ہے۔ ص۱۹ سے ص۲۷ تک مولانا محفوظ الرحمن قاسمی فاضل دیوبند کا مضمون ہے چنانچہ وہ پہلے اس مسئلہ کے اختلافی ہونے پر چند حوالے نقل کرتے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں۔

اب آیئے سوالنامے میں درج شقوں کے مختصر جوابات بھی سماعت فرمایئے۔

۱۔ طلاق۔ طلاق۔ طلاق۔ تین دفعہ کہہ دینے سے اگر کہنے والے کی نیت ایک کی ہو۔ اور اس نے محض تاکید کے لیے باقی دو دفعہ مزید کہہ دیا ہو یا باقی دو سے اس نے کچھ بھی نیت

نہ کی ہو نہ تاکید کی نہ عدم تاکید کی تو ایک ہی طلاق پڑے گی علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں علامہ ابن حجرؒ کی عبارت نقل کی ہے کہ فاسق سے فاسق آدمی کا ارادۂ تاکید معتبر مانا جائے گا اور یہی ہمارا مذہب بھی ہے فانہ صریح مذھبنا تصدیق مرید التاکید بشرطہ وان بلغ فی الفسق ما بلغ ۔ مفتی مہدی حسن سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند اپنی کتاب اقامۃ القیامۃ صـ۷۵ پر فرماتے ہیں ۔ اگر عورت مدخول بہا ہے اور ایک ہی طلاق دینے کا ارادہ تھا لیکن بتکرار لفظ تین مرتبہ طلاق دی اور دوسری اور تیسری طلاق کو بطور تاکید استعمال کیا ہو تو دیانۃً قسم کے ساتھ اُس کا قول معتبر ہوگا اور ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اس میں اختلاف نہیں۔ علامہ ابن حزمؒ کی کتاب محلّٰی میں بالکل یہی الفاظ ہیں مگر اس میں دیانۃً کا لفظ اور حلف کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ صرف اتنا ہے کہ اس کے ارادہ تاکید کو معتبر مانا جائیگا ۔ علامہ (ابن حزمؒ محلّٰی) ج ۱۰ صـ۱۷۵ پر فرماتے ہیں فلو قال لموطوٴۃ انتِ طالق انتِ طالق انتِ طالق فان نوی التکریر (ای التاکید) لکلمۃ الاولیٰ فھی واحدۃ وکذٰلک ان لم ینو بتکرارہ شیئًا فان نوی بذٰلک ان کل طلقۃ غیر الاولیٰ فھی ثلاث ان کیوھا ۔ مدخول بہا عورت سے کسی نے کہا ۔ تجھے طلاق ۔ تجھے طلاق ۔ تجھے طلاق ۔ اگر اُس نے باقی دو سے تاکید کا ۔ یا نہ تاکید نہ عدم تاکید کا کسی کا ارادہ نہ کیا تو ایک واقع ہوگی لیکن اگر مطلب یہ تھا کہ ہر طلاق پہلے والی طلاق سے الگ ہے تو تین طلاق واقع ہوگی ۔ انتہی بلفظہٖ (صـ۲۶ و صـ۲۷) یہ تمام عبارت اور حوالے مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب قاسمی فاضل دیوبند کے ہیں جن سے بالکل عیاں ہے کہ وہ تین طلاقوں کو ایک صرف اس صورت میں کہتے ہیں جس میں طلاق دینے والے نے پہلی طلاق انشاءً اور دوسری اور تیسری حکایۃً اور تاکیداً و تکریراً کہی ہو اور اس صورت میں کوئی اختلاف نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ مولانا اپنی تائید میں علامہ آلوسیؒ مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ اور علامہ ابن حزمؒ کی عبارت پیش کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ تین طلاقوں کو ایک کہنا صرف اس صورت سے متعلق ہے جس میں دوسری اور تیسری طلاق سے حکایت اور تاکید مراد ہو اور جہاں اُن کی عبارت مجمل اور مختصر ہے اُس میں اُن کی اسی تفسیر اور تشریح کو ملحوظ رکھنا پڑے گا کما لا یخفیٰ ۔

غیر مقلدین حضرات کے سوء فہم اور دجل کو ملاحظہ کیجیے کہ وہ کس دیدہ دلیری سے مولانا موصوف کو کلیتہً اور مطلقاً اپنا ہمنوا قرار دے رہے ہیں اور کہتے نہیں تھکتے البتہ مولانا موصوف کا علامہ ابن حزمؒ کی پیروی میں یہ نظریہ کہ اگر دوسری اور تیسری طلاق میں کوئی نیت نہ ہو تو پھر بھی ایک ہی ہو گی نہ معلوم کس دلیل اور کس نظریہ پر مبنی ہے جب کہ صریح طلاق کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ نیت نہ بھی ہو تب بھی وہ واقع ہو جاتی ہے اور اسی کتاب میں ثلاث جدھن جد وہزلھن جد میں طلاق کا ذکر بھی باحوالہ موجود ہے الغرض مولانا موصوف کی عبارات سے بالکل عیاں ہے کہ تین طلاقوں کی نیت ہو اور دوسری اور تیسری سے تاکید وحکایت مراد نہ ہو تو پھر تین ہی واقع ہوں گی ہاں یہ بات جدا ہے کہ تاکید وحکایت کو ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا وہی سمجھے گا جو بڑا ہی ہوشیار اور ذہین ہو یا اس نے تلخیص المفتاح، مختصر المعانی اور مطول وغیرہ کتابیں پڑھی ہوں یہی وجہ ہے کہ ایسی صورت میں اس شخص کو قسم دی جائے گی اور فیصلہ دیانۃً نافذ ہوگا نہ کہ قضاءً کما مر۔ باقی صریح طلاق میں نیت نہ ہونے سے طلاق کا واقع نہ ہونا علامہ ابن حزمؒ کی خالص ظاہریت کا کارنامہ ہے اور دوسرے حضرات بھی لکیر کے فقیر بن کر ان کے پیچھے چل رہے ہیں کیونکہ اندھے کو لاٹھی کا سہارا۔

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کا مقالہ مجموعہ مقالات علمیہ دربارہ ایک مجلس کی تین طلاق ص۴۷ سے ص۸۲ تک میں پھیلا ہوا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: موجودہ معاشرتی حالات میں ہمارے نزدیک علماء مجتہدین کے لیے اس امر کی کافی گنجائش ہے کہ وہ حسب ذیل فیصلے کریں۔ ۱۔ تین طلاقیں جو ایک مجلس میں ایک ہی لفظ سے دی جائیں وہ ایک طلاق سمجھی جائے گی اور طلاق رجعیہ ہوگی۔ ۲۔ تین طلاقیں جو ایک ہی مجلس میں تین لفظوں سے دی جائیں اور شوہر شدید غضب کے عالم میں ہو اور غصہ فرو ہونے کے بعد وہ یہ کہے کہ میں نے دوسری اور تیسری طلاق کے الفاظ پہلے ہی طلاق کو موکد کرنے کے لیے کہے تھے یا یہ سوچے کہ مجھے غصہ میں زبان سے نکل گئے تھے اور میں طلاق مغلظہ کے حکم سے ناواقف تھا اور نہ اس کا ارادہ تھا تو ان سب صورتوں میں مرد کی تصدیق کی جائے الخ بلفظہ (ص۸۰)

یہ عبارت حق اور باطل درست اور غلط کا ملغوبہ ہے اس لیے کہ دوسری اور تیسری طلاق کو تاکید، تکرار اور حکایت کے لیے لینے کی تصریحات تو شروح حدیث اور کتب فقہ و فتاویٰ میں موجود ہیں لیکن غصہ کی حالت میں یا سوچے بوجھے بغیر لفظ طلاق کے زبان سے نکل جانے سے صریح طلاق کا واقع نہ ہونا، یا قائل کا یہ کہنا کہ میں طلاق مغلظہ کے حکم سے ناواقف تھا یا میرا ارادہ طلاق کا نہ تھا صریح طلاق میں حدیث اور فقہ کے رُو سے یہ تمام مردود بہانے ہیں اور ان سب صورتوں میں بہر حال اور بہر کیف طلاق واقع ہو جائے گی اس میں نیت اور ارادہ کا نیز جہالت اور غصہ کا قطعاً کوئی فرق نہیں پڑتا جیسا کہ فتاویٰ قاضیخان وغیرہ سے نقل کردہ صریح جزئیات سے یہ بات بالکل عیاں ہو چکی ہے۔

اس کے علاوہ بھی اس مجموعۂ مقالات علمیہ میں عبارات میں قطع و برید مفید مطلب عبارات کو نقل کر دینا اور ان کے جوابات کو بالکل نظر انداز کر دینا اور مطلب براری کے لیے کئی شوشے اور شبہات پڑھنے والوں کو نظر آئیں گے لیکن بحمد اللہ تعالیٰ عمدۃ الاثاث کو غور و فکر کے ساتھ پڑھنے والے حضرات ان جملہ شبہات اور مغالطات کے اصولی اور باحوالہ جوابات پڑھ کر اطمینان حاصل کر لیں گے لہذا ان کو الگ اس دیباچہ میں نقل کر کے ان کا رد کرنا تحصیل حاصل کے مترادف ہے اس لیے تطویل کو بالکل نظر انداز کیا جاتا ہے ماننے والوں کے لیے بفضلہ تعالیٰ اس کتاب میں درج شدہ ٹھوس حوالے بالکل کافی ہیں اور نہ ماننے والے تو آسمانی کتابوں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے پاک صحیفوں اور احادیث کو بھی نہیں مانتے ان کا منوانا مخلوق میں سے کسی کے بس کی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب کو حق سمجھنے کی اور اس پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین ؎

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ ‫ کہ میں ہوں محرم رازِ درونِ میخانہ

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ رسولہ خیر خلقہ محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ و جمیع متبعیہ آمین

ابوالزاہد محمد سرفراز ۱۶ رجب ۱۴۰۵ھ ۳۱ مئی ۱۹۸۵ء

دیباچہ طبع اوّل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ، اَمَّا بَعْدُ

دین سے غفلت اور بے اعتنائی اور اس سے بھی بڑھ کر مغربی تہذیب کے زود اثر اور ناپاک معاشرہ نے ازدواجی زندگی پر گہرا اثر ڈالا ہے جس میں ازدواجی زندگی کے حسین امتزاج کو محض تسکین شہوت کا ایک عارضی ذریعہ قرار دے دیا گیا ہے۔ مغربی ممالک میں آئے دن یہ خبریں اخبارات میں نگاہوں سے گذرتی ہیں کہ فلاں جگہ عورت نے اس لیے خاوند سے طلاق حاصل کرنے کے لیے مقدمہ دائر کر دیا ہے کہ وہ اس کی بلّی سے محبت نہیں کرتا اور فلاں جگہ اس لیے کہ خاوند سوتے میں خرّاٹے لیتا ہے اور فلاں جگہ اس لیے کہ خاوند نے کھانا کھاتے وقت بیوی سے پہلے لقمہ اُٹھالیا ہے۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس اس قسم کی بیسیوں خبریں اخبارات میں موجود ہیں جن کی وجہ سے زندگی کے اس دیرپا رشتہ کو بازیچۂ اطفال بنا دیا گیا ہے کہ قدم قدم پر اور بات بات پر طلاق دی جاتی ہے اور اس کا مطالبہ ہوتا ہے بلکہ قیمتی وقت اور رقم صرف کر کے مقدمہ بازی تک نوبت آ پہنچتی ہے۔ مواصلات کی فراوانی اور عام طور پر میل جول کی وجہ سے اس نامبارک طرز کا اثر ہر ملک پر پڑا ہے،

اور خیر سے بعض پاکستانی تو اس نقالی میں پیش پیش ہیں جس سے ہر سمجھ دار آدمی کو آنے والی نسلوں کی سخت فکر ہے کہ خدا معلوم ان کا کیا بنے گا؟ اور اس فکر سے ہماری حکومت بھی غافل نہیں ہے۔ انہی پریشانیوں کے پیش نظر ہماری مرکزی حکومت نے اگست ۱۹۵۵ء میں ایک سات رکنی کمشن مقرر کیا تاکہ وہ نکاح و طلاق اور کفالت وغیرہ سے متعلق موجودہ قوانین کا جائزہ لے کر رائے دے کہ ان میں کیا اصلاح و ترمیم ضروری ہے؟ اس کمشن کے ارکان

یہ تھے۔ ۱۔ خلیفہ شجاع الدین صاحب مرحوم صدر ان کی وفات کے بعد ان کی جگہ میاں عبدالرشید صاحب سابق چیف جسٹس پاکستان کا انتخاب عمل میں آیا۔ ۲۔ حضرت مولانا محمد احتشام الحق صاحب تھانوی۔ ۳۔ خلیفہ عبدالحکیم صاحب۔ ۴۔ مسٹر عنایت الرحمٰن صاحب۔ ۵۔ بیگم شاہنواز صاحبہ ۶۔ بیگم انور جی صاحبہ۔ ۷۔ بیگم شمس النہار محمود صاحبہ۔ مسٹر عنایت الرحمٰن صاحب نے اگرچہ عملاً اس میں حصہ نہیں لیا مگر اس کی منظوری انہوں نے دیدی اور حضرت مولانا محمد احتشام الحق صاحب تھانوی نے اس پر ایک اختلافی نوٹ لکھا ہے جس میں ارکان کمشن کے نظریات اور ان کی سفارشات سے شدت کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ یہ نوٹ ایک ضمیمہ کی صورت میں حکومت کی طرف سے علیحدہ شائع ہو چکا ہے۔ اس طرح یہ رپورٹ عملاً صاحب صدر کے علاوہ خلیفہ عبدالحکیم صاحب اور مذکورہ تینوں بیگمات کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

(ملاحظہ ہو عائلی کمشن رپورٹ پر مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کا تبصرہ ص ۱۰۹)

اس لحاظ سے اس کمشن میں صرف ایک ہی مستند عالم تھے جنہوں نے باقاعدہ دین پڑھا ہے مگر وہ بھی اس رپورٹ سے سخت نالاں ہیں باقی اکثریت آزاد خیال مردوں اور بیگمات کی ہے اور اکثر عورتوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کس مسلمان سے مخفی ہے، ناقصات عقل و دین (بخاری ص ۴۴ ج ۱ و مسلم ص ۶۰ ج ۱ وغیرہ) کہ وہ عقل و دین کے لحاظ سے ناقص ہوتی ہیں اور اس عائلی کمشن کی رپورٹ میں ایک مشورہ ان کا یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا چاہیئے اور اس کمشن نے تین طلاقوں کو تین قرار دینے کو بدعت ضلالہ اور غیر اسلامی قرار دیا ہے (دیکھئے تبصرہ مولانا امین احسن اصلاحی ص ۱۱۱) انشاء اللہ تعالیٰ آپ باحوالہ اس کتاب میں یہ بحث پڑھیں گے کہ تین طلاقوں کو جو اگرچہ ایک ہی کلمہ اور ایک ہی مجلس میں دی گئی ہوں تین کہنے پر بظاہر قرآن اور صحیح احادیث دال ہیں اور جمہور صحابہ کرامؓ ائمہ اربعہؒ اور جمہور محدثین کرامؒ کا اجماع بھی اسی پر ہے اور اس کے مقابلہ میں علماء میں سے صرف چند نفوس ہیں جن کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور اس وقت چند مغربیت زدہ حضرات اور آزاد خیال کچھ عورتیں ہیں جن

کے پاس دلائل کے بجائے نرے شبہات ہیں اور بس۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ تمام دیندار طبقے اور خصوصیت سے حضرات علماء کرام اس غلط نظریہ کی پرزور تردید کرتے اور قرآن و حدیث اور جمہور صحابہ کرامؓ اور جمہور امت کا ساتھ دیتے کہ کامیابی صرف اسی میں مضمر ہے مگر صد افسوس ہے ان علماء پر جو اس نازک دور میں بھی بجائے جمہور ملت کا ساتھ دینے کے اپنے تحزب اور تعصب کی وجہ سے مغربیت زدہ طبقہ اور آزاد خیال عورتوں کی تائید و تصدیق پر کمر بستہ ہیں فوا اسفا چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم محترم مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالویؒ نے جو اب مرحوم ہو چکے ہیں عائلی کمشن رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عائلی قوانین کا مسودہ جب پہلے پہل شائع ہوا تو عائلی کمشن کے ایک ممبر مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ نے اس پر ایک اختلافی نوٹ لکھا جو نہایت مفصل اور کئی صفحات پر مشتمل تھا عائلی قوانین میں حکومت نے مروجہ طلاق ثلاثہ کو جو بیک وقت دی جاتی ہے ایک شمار کرنے کا اشارہ کیا تھا مولانا احتشام الحق نے جو نوٹ لکھا وہ انتہائی عصبیت سے بھرا ہوا تھا۔ مولانا احتشام الحق ایسے معقول اور معاملہ فہم آدمی سے ہمیں اس کی امید نہ تھی الخ

مولانا احتشام الحق صاحبؒ نے تو انتہائی معاملہ فہمی اور معقولیت کا ثبوت دیا کہ قرآن و حدیث اور جمہور ائمہ سنت کے دامن کو سنبھالے رکھا ہے اور طلاق جیسی مبغوض چیز کا سد باب کیا ہے اور پے در پے طلاقیں دینے کی تسبیح کا دھاگا توڑ کر رکھ دیا ہے مگر ہزار در ہزار افسوس تو ان مولانا جیسے بزرگ پر ہے جو اپنی جماعت میں معاملہ فہم بھی سمجھے جاتے تھے اور وسیع المشرب بھی مگر وہ خود انتہائی عصبیت کا شکار رہیں اور بجائے جمہور امت کا ساتھ دینے کے وہ مغربیت زدہ طبقہ اور آزاد خیال بیگمات کا تعاون فرما رہے ہیں، انہی مجبوریوں کی وجہ سے ہم نے نہایت سہل طریقہ پر کتاب قارئین کرام کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کی ہے کہ وہ اس خالص دینی مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر نگاہ ڈال سکیں اور خود دیکھ لیں کہ حق کس کے ساتھ ہے اور دلائل کس طرف ہیں؟ اور نرے شبہات کمزور و ضعیف اقوال اور غیر معروف شخصیتوں پر کون اعتقاد کی بنیاد رکھ رہا ہے؟ کیونکہ جب تک دو طرفہ دلائل سامنے نہ آئیں اکثر اوقات حقیقت کھل کر سامنے نہیں

آتی ادر سچ ہے ؏

وبضدها تتبین الاشیاء

اس مسئلہ پر قدیماً وحدیثاً بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ شروح حدیث، کتب تفسیر اور فقہ وغیرہ میں اس پر خاصا مواد موجود ہے اور اردو زبان میں بھی اس پر بعض حضرات نے طرفین کے دلائل جمع کئے ہیں جن میں بہترین رسالے حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کے ہیں ایک کا نام الاعلام المرفوعہ ہے اور دوسرے کا الازہار المربوعہ ہے۔ ہم نے آج سے تقریباً بیس سال قبل ان کا مطالعہ کیا ہے اور اس کتاب میں بھی ان کے بعض حوالے درج ہیں مگر ہماری دانست میں ان میں بعض پہلو تشنہ تھے؛ ضرورت تھی کہ ان کو بھی براہین کے ساتھ اُجاگر کر دیا جائے اس ارادہ سے ہم نے عمدۃ الاثاث نامی رسالہ آج سے تقریباً بیس سال قبل لکھا تھا مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے طبع نہیں ہو سکا تھا جس کو اب ایک خاص ترتیب سے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اگر کسی صاحب علم اور منصف مزاج بزرگ نے واضح دلائل سے ہماری غلطی پر ہمیں آگاہ کیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی اصلاح میں پس وپیش نہ ہوگا کیونکہ ہمارا مقصد تو صرف اصلاح ہے اور بس۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ

احقر

ابوالزاہد محمد سرفراز

خطیب جامع گکھڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۲ رمضان ۱۳۸۷ھ
۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ اَرۡسَلَہٗ بِالدِّیۡنِ الۡقَوِیۡمِ اِلٰی کَافَّۃِ النَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا ○ فَحَقَّقَ بِنُصۡرَۃِ اللّٰہِ مَعَالِمَ الۡحَقِّ تَشۡرِیۡحًا وَّتَفۡسِیۡرًا ○ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَزۡوَاجِہٖ وَجَمِیۡعِ اُمَّتِہٖ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا ○ اَمَّا بَعۡد

مذہب اسلام کی جامعیت

مذہب اسلام ایک نہایت جامع اور مکمل مذہب ہے جس میں انسان کی زندگی کے مختلف اور متنوع گوشوں پر سیر حاصل ہدایات موجود ہیں۔ انسان اپنی زندگی کے کسی موڑ اور کسی مرحلہ میں کسی ایسی الجھن میں مبتلا نہیں ہوتا جس میں اسلام نے اس کی راہنمائی نہ کی ہو اور عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات کے سبھی پہلوؤں پر حسب ضرورت روشنی نہ ڈالی ہو۔ اس وقت دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں بتایا جا سکتا جو اپنی جامعیت میں اسلام کے ہم پلہ تو کیا اس کا عشر عشیر بھی ثابت ہو سکے اور صداقت اسلام تو اس پر مستزاد ہے، مگر افسوس ہے کہ اس برحق بہترین اور اعلیٰ مذہب کو مسلمان اپنانے اور اس کے نفاذ سے جی چراتے اور شرماتے ہیں جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مغربی تہذیب کی نحوست نے ان کے دل و دماغ کو ماؤف اور آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے اور خواہشات و اہواء کی آزادی انہیں اسلام کی حدود و قیود پر پابند رہنے کی راہ میں سخت رکاوٹ ڈالتی ہے اور آئے دن اسلام کی نت نئی تعبیریں اور تفسیریں کی جاتی ہیں اور عقل و خرد اور رفتارِ زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے اور اسلامی اصول و فروع کو اس نہج پر ڈھالنے کے لیے خوشنما اور دلربا الفاظ اور تعبیر سے تلقین کی جاتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ فکر خداداد بھی ایک نعمت ہے مگر اسی حد تک جب تک کہ شریعت

کے مطابق ہو ورنہ بقول علامہ اقبال مرحوم یہ ابلیس کی ایجاد ہے ؎

گو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

انسانی زندگی کے سفر میں ایک مرحلہ نکاح کا بھی آتا ہے جس پر قرآن و حدیث میں کھرے کھرے احکام اور اس کی ترغیب پر صریح ارشادات موجود ہیں کہیں اس کو نصف دین سے تعبیر فرمایا (مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۲۶۸) اور کہیں مستطیع کے لیے اس سے اعراض پر سنت سے اعراض کرنے کی وعید فرمائی۔ (بخاری جلد ۲ ص ۷۵۸) اور کہیں یہ ارشاد ہے کہ چار چیزیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں میں سے ہیں۔ حیا کرنا، خوشبو لگانا، نکاح کرنا اور مسواک کرنا۔ (الجامع الصغیر جلد ۱ ص ۳۷ وقال حسن) غرضیکہ تکمیل انسانیت کے لیے ازدواجی زندگی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور جب نکاح کرنا اور شرعی دائرہ میں رہ کر میاں بیوی کا گہرا تعلق رضائے الٰہی اتباع سنت اور تکمیل انسانیت کا ایک بہترین ذریعہ ہے تو اس تعلق کا توڑنا بھی اسی انداز کا مبغوض و ناپسندیدہ امر ہوگا جس قدر کہ وہ محبوب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال کی ہیں ان میں طلاق سے زیادہ مبغوض اور کوئی چیز نہیں ہے (الجامع الصغیر جلد ۲ ص ۱۴۲ وقال حسن والمستدرک جلد ۲ ص ۱۹۶ وقال الحاکمؒ صحیح الاسناد وقال الذہبی صحیح علی شرط مسلم) اس سے معلوم ہوا کہ طلاق باوجود حلال اور جائز ہونے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مبغوض ترین چیز ہے اور اللہ تعالیٰ بلا وجہ طلاق پر راضی نہیں ہوتا اور حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت نے بلا کسی مجبوری کے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ جنت کی خوشبو حرام کر دیتا ہے۔

(الجامع الصغیر جلد ۱ ص ۱۳۷ وقال حسن والمستدرک جلد ۲ ص ۲۰۰ وقال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح علی شرطہما) اس صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ بدون اشد مجبوری کے طلاق کا مطالبہ درست نہیں ہے اور ایسا مطالبہ کرنے والی عورت کو تشدیداً اور تنبیہاً یہ ارشاد

فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام کر دیتا ہے چہ جائیکہ وہ جنت میں داخل ہو سکے مگر آخر انسان انسان ہے بعض اشد اور ناگزیر حالات میں مذہب اسلام نے طلاق کی اجازت بھی دی ہے اور اس کی قیود و حدود بھی متعین فرمائی ہیں دورِ جاہلیت میں سو سو بلکہ ہزار ہزار تک طلاقیں دے کر رجوع کر لینے کا دستور بھی تھا مگر اسلام نے اس کی حد بندی کر دی اور بیوی کے مغلظہ ہونے کا تین طلاقوں میں انحصار کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ طلاق دو دفعہ کی ہے اس کے بعد یا تو اچھے طریقہ سے رکھنا مناسب ہے یا عمدہ طریقہ سے چھوڑ دینا اچھا ہے لیکن اگر اس کے بعد تیسری طلاق بھی دے دی تو اب وہ عورت اپنے سابق خاوند کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کر لے (اور پھر وہ فوت ہو جائے یا اپنی مرضی سے طلاق دے دے اور عدت گذر جائے) اس حد تک تو جملہ ائمہ دین اور اہل اسلام متفق ہیں البتہ طلاق اور اس کے بعد رجعت کی بعض صورتوں میں کچھ اختلافات بھی موجود ہیں اس مقام پر صرف دو مسئلے بیان کرنا مقصود ہے جن کا اس رسالہ سے تعلق ہے اور جن کے لیے یہ رسالہ معرضِ تحریر میں آیا ہے غور اور فکر سے کام لیں تاکہ بات ذہن نشین ہو سکے۔

۱۔ اس میں اختلاف ہے کہ آیا ایک مجلس اور ایک کلمہ سے تین طلاقیں دینا جائز اور سُنّت کے مطابق ہے یا خلافِ سُنّت اور بدعت ہے؟ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام بخاریؒ حضرت امام بیہقیؒ اور علّامہ ابن حزمؒ وغیرہ اس کو جائز اور سنّت سمجھتے ہیں باقی حضرات بیک وقت تین طلاقوں کو غیر مستحسن بدعت اور مکروہ سمجھتے ہیں لیکن فرماتے ہیں کہ تین طلاقوں کے وقوع میں کوئی شک نہیں واقع بہر حال تین ہی ہوں گی چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقوں کا جمع کرنا ہمارے (شوافع کے) نزدیک حرام نہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ تین طلاقیں الگ الگ تفریق کر کے دی جائیں اور امام احمدؒ اور ابو ثورؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور امام مالکؒ امام اوزاعیؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام لیثؒ (بن سعدؒ) فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۴۷۸)

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سرے سے یہ طلاقیں واقع نہ ہوں گی کیونکہ یہ بدعت ہے اور جو

یہ چیز خلافِ سُنّت ہو اس کا وقوع کیسے؟ اس گروہ کا ذکر عنقریب آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ جو حضرات بیک وقت تین طلاقوں کو جائز سمجھتے ہیں وہ اپنے استدلال میں نص قرآنی بھی پیش کرتے ہیں چنانچہ علامہ ابو محمد بن حزمؒ الظاہری (المتوفی ۴۵٦ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ثم وجدنا من حجة من قال ان الطلاق الثلاث مجموعة سنة لا بدعة قول الله تعالىٰ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فهذا يقع على الثلاث مجموعة ومفرقة ولا يجوز ان يخص بهذه الآية بعض ذالك دون بعض بغير نص اھ (محلی جلد۱۰ ص۱۷۰)	پھر ہم نے ان لوگوں کی جو بیک وقت تین طلاقوں کو بدعت نہیں کہتے بلکہ سنت سمجھتے ہیں یہ دلیل پائی کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سو اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو وہ اس کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے یہ مضمون اُن تین طلاقوں پر بھی صادق آتا ہے جو اکٹھی ہوں اور ان پر بھی سچا آتا ہے جو متفرق طور پر ہوں اور بغیر کسی نص کے اس آیت کو تین اکٹھی طلاقوں کو چھوڑ کر صرف متفرق کے ساتھ مخصوص کر دینا صحیح نہیں ہے۔

گویا حافظ ابن حزمؒ کے نزدیک جس طرح متفرق طور پر تین طلاقیں اس آیت کریمہ کے مفہوم میں داخل ہیں اسی طرح تین اکٹھی بھی اس کے مفہوم میں داخل ہیں اور جس طرح متفرق طور پر تین طلاقوں کے وقوع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور نہ ان کے مطابق سنت اور جائز ہونے میں کلام ہے بعینہٖ اسی طرح دفعۃً تین طلاقوں کا حکم بھی اس میں داخل ہے اور اس کے سنت اور جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں اور بدون کسی صریح نص کے تین متفرق طلاقوں پر اس آیت کریمہ کو منحصر کر دینا درست نہیں ہے کیونکہ نرے احتمال سے نص کیونکر مخصوص ہوسکتی ہے؟ یا اس سے اس پر زد پڑ سکتی ہے؟ اور ان حضرات کی طرف سے دوسری دلیل اس مدعیٰ پر یہ پیش کی گئی ہے کہ حضرت عویمرؓ بن ابیض العجلانی نے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی خولہؓ بنت قیس سے لعان کیا تو اس کے بعد:۔

قال عويمر كذبت عليها يا رسول الله ان امسكتها فطلقها ثلاثا	حضرت عویمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر میں اس کو اپنے پاس روکوں اور بیوی بنائے رکھوں

قبل ان یأمرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ (بخاری جلد ۲ ص۷۹۱ ومسلم جلد ۱ ص۴۸۹ ونسائی جلد ۲ ص۸۳)

تو ہیں نے تو اس پر جھوٹ کہا سو اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم صادر فرمانے سے پہلے ہی اس کو تین طلاقیں دے دیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دفعۃً واقع ہو سکتی ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر کوئی انکار نہیں فرمایا اگر تین طلاقیں دفعۃً ناجائز اور قطعاً حرام ہوتیں تو آپ اس پر ہرگز خاموشی اختیار نہ فرماتے بلکہ اس کو منع فرماتے (سنن الکبریٰ جلد ۷ ص۳۲۹) اور امام بخاریؒ نے اس پر باب من جوز الطلاق الثلاث اور امام نسائیؒ نے باب الرخصۃ فی ذلک قائم کرکے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا بھی جائز ہیں اور تین کی رخصت واجازت ہے اور بھی اس سلسلہ میں کئی روایات ہیں مگر ہمارا مقصد تمام دلائل کا ذکر کرنا نہیں بلکہ محض بات کو واضح کرنا ہے جو حضرات بیک وقت تین طلاقوں کو جائز سمجھتے ہوئے بھی اس فعل کو مکروہ اور غیر مستحسن وغیرہ کہتے ہیں ان کے لیے جواز کی دلیل تو یہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے اور اس کے غیر مستحسن اور مکروہ وغیرہ ہونے کے لیے وہ حضرات محمود بن لبیدؓ کی روایت پیش کرتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ۔

اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأتہ ثلاث تطلیقات جمیعًا فقام غضبانا ثم قال ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظہرکم حتی قام رجل وقال یا رسول اللہ الا اقتلہ ؟ (نسائی جلد ۲ ص۸۲)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکھٹی تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ غصہ میں اٹھ کھڑے ہوئے پھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا میری موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے؟ حتیٰ کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ حضرت! کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں؟

حافظ ابن القیمؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں اسنادہ علی شرط مسلم اھ (زاد المعاد جلد ۴ ص۵۲) کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ اور علامہ ماردینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بسند صحیح ہے (الجوہر النقی جلد ۷ ص۳۳۳) حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ اسنادہ جید بحوالہ نیل الاوطار جلد ۶ ص۲۴۱

اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں رواتہ موثقون (بلوغ المرام ص۲۲۴ و مع سبل السلام جلد ۳ ص۲۱۲)
اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ دفعۃً تین طلاقیں دینا پسندیدہ امر نہیں ہے۔ ورنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ تو اس کارروائی پر سخت ناراض ہوتے اور نہ یہ ارشاد فرماتے کہ میری موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے، ہاں آپ نے باوجود ناراضگی کے ان تینوں کو اس پر نافذ ہی کر دیا جیسا کہ حضرت عویمرؓ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے تینوں کو نافذ فرما دیا تھا چنانچہ حافظ ابن القیمؒ حضرت محمودؓ بن لبیدؓ کی اس مذکورہ روایت کا حوالہ دے کر آگے فرماتے ہیں (اصل عبارت قاضی ابوبکر بن العربیؒ کی ہے مگر حافظ ابن القیمؒ نے اس کا رد نہیں کیا)

فلم یردہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل امضاہ وکما فی حدیث عویمر العجلانی فی اللعان حیث امضیٰ طلاقہ الثلاث ولم یردہ (تہذیب سنن ابی داؤد جلد ۳ ص۱۲۹ طبع مصر)	پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کو رد نہیں کیا بلکہ ان کو نافذ فرما دیا اور جیسے کہ عویمر عجلانیؓ کی لعان والی حدیث میں بھی ہے کہ آپ نے اس کی تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا اور رد نہیں کیا۔

اور ابوداؤد جلد ۱ ص۳۰۶ میں حضرت سہلؓ بن سعد کی روایت میں ہے۔

فطلقہا ثلاث تطلیقات عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانفذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ	کہ حضرت عویمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور آپ نے ان کو نافذ کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاقوں کو آپ نے جاری اور نافذ تو کر دیا تھا لیکن غیر مستحسن ہونے کی وجہ سے ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا نہ یہ کہ ان کو رد ہی کر دیا اور ان کا کچھ اعتبار ہی نہ کیا جیسا کہ بعض کوتاہ فہم لوگوں کو شبہ ہوا ہے۔ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے محمودؓ بن لبیدؓ کی حدیث میں یہ لفظ بھی زائد کر ڈالے ہیں وامضاہ علیہ ولم یردہ اور یہ موضوع ہیں کیونکہ حدیث کی کسی کتاب میں یہ مذکور نہیں اور قائل نے فرط تقلید کی وجہ سے یہ الفاظ اپنی طرف سے زائد کر ڈالے ہیں (محصلہ) (اغاثۃ اللہفان جلد ۱ ص ۲۹۷-۲۹۸) مگر جمہور کا استدلال اس طرح

نہیں کہ حضرت محمودؓ کی اس حدیث میں یہ لفظ موجود ہیں، بلکہ ان کا استدلال بایں طور ہے کہ ابو داؤد ج ا ص ٣٠٦ کی روایت میں جو حضرت سہلؓ بن سعد سے مروی ہے یہ الفاظ موجود ہیں۔

فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فانفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم الحديث

کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہی اس کو تین طلاقیں دے ڈالیں سو آپ نے ان کو نافذ کر دیا۔

اس روایت کے باقی سارے راوی ثقہ ہیں اختلاف ہے تو عیاضؒ بن عبداللہ الفہریؒ میں ہے امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں لیس بالقوی۔ ساجیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابن وہبؒ سے ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جن میں نظر ہے امام یحییٰؒ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف الحدیث ہے اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ لیکن امام ابن حبانؒ اور امام ابن شاہینؒ اس کو ثقات میں لکھتے ہیں اور امام ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ ثبت له بالمدينة شأن كبير في حديثه شيئ اور یہ مسلم، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ کا راوی ہے (تہذیب التہذیب ص ٢٠١ ج ٨) امام ابو داؤدؒ اور علامہ منذریؒ اس روایت کو نقل کر کے دونوں اس پر سکوت کرتے ہیں اور ضعف کا کوئی حکم اس پر نہیں لگاتے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ روایت قابل اعتبار ہے اور امام خطابیؒ معالم السنن ص ١٦٢ ج ٣ میں اس روایت کے فقہی معانی تو بیان فرماتے ہیں مگر اس پر ضعف کا کوئی حکم نہیں لگاتے گویا ان کے نزدیک بھی یہ روایت قابل احتجاج ہے۔

اور امام خطابیؒ تصریح کرتے ہیں کہ موضوع، مقلوب اور مجہول ضعیف حدیث کی اقسام ہیں۔

وكتاب ابي داؤد خلي منها بري من جملة وجوهها الخ (ج ١ ص ١١)

اور امام ابو داؤدؒ کی کتاب موضوع وغیرہ سے بالکل خالی ہے اور ان جملہ قسموں سے مبرا ہے۔

گویا امام خطابیؒ کی تحقیق کے رو سے ابو داؤد میں کوئی روایت موضوع نہیں ہے علاوہ ازیں اگر یہ الفاظ نہ بھی ہوں تب بھی جمہور کا استدلال واضح ہے وہ یوں کہ باوجود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کے اس روایت سے جو سمجھا جاتا ہے وہ تین کا وقوع

ہے اور امام نسائیؒ وغیرہ نے باب بھی یہی قائم کیا ہے۔ اور خود ابن القیمؒ کی سابق عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی سمجھئے جیسے بحالت حیض اپنی بیوی کو طلاق دینا ممنوع اور خلاف سُنت ہے مگر جمہور ائمہ اسلام کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ہے (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۶۴ ومعالم السنن جلد ۳ ص ۹۳) چنانچہ حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق دی تھی اور اس طلاق کا اعتبار کیا گیا تھا (بخاری جلد ۲ ص ۷۹۰ ومسلم جلد ۱ ص ۴۷۶ ونسائی جلد ۲ ص ۸۲ ومسند الشافعی ص ۶۷ وسنن الکبریٰ جلد ۷ ص ۳۲۶ و دارقطنی جلد ۲ ص ۴۲۷ وجامع المسانید جلد ۲ ص ۱۴۲ تلخیص الحبیر ص ۳۱۶) یہ الگ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو رجوع کا حکم دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ طہر کے زمانہ میں جو مجامعت سے خالی ہو اس کو طلاق دینا (بخاری ج ۲ ص ۷۹۰ ومسلم جلد ۱ ص ۴۷۶ وغیرہ) خارجیوں اور رافضیوں کا تو یہ مسلک ہے ہی کہ حیض کی حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی (معالم السنن جلد ۳ ص ۹۳) مگر حیرت ہے امام ابن حزمؒ، حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ وغیرہ پر کہ وہ حیض کی حالت میں دی گئی طلاق کو کالعدم قرار دیتے ہیں ملاحظہ ہو علی الترتیب محلّی جلد ۷ ص ۱۹۷ و فیض الباری جلد ۴ ص ۳۱۱ و زاد المعاد جلد ۴ ص ۴۴ اور سبل السلام جلد ۳ ص ۲۰۷ میں بھی تینوں حضرات کا ذکر ہے اور ان کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ بحالتِ حیض طلاق دینا جائز نہیں بلکہ ممنوع ہے، اور جب یہ ممنوع اور ناجائز ہے تو اس پر طلاق کا شرعی حکم کس طرح مرتب ہو سکتا ہے؟ مگر یہ دلیل ایک شبہ سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں رکھتی اوّلاً اس لیے کہ یہ دلیل اور قیاس نص کے مقابلہ میں ہے اور اس کی کوئی وقعت نہیں وثانیاً کسی چیز کا ناجائز اور ممنوع ہونا اپنے مقام پر ہے اور اس پر شرعی حکم کا ترتب اپنی جگہ پر ہے کون نہیں جانتا کہ ارتداد زنا، چوری، قتل اور ڈاکہ وغیرہ شریعت حقہ کے نزدیک بڑے سنگین گناہ ہیں مگر ان پر شرعاً احکام بھی مرتب ہیں ارتداد اور قتل ناحق اور ڈاکہ کی بعض صورتوں میں اپنی شرائط کے ساتھ قتل کا حکم ہوگا اور شرعی ثبوت کے بعد چوری میں ہاتھ کاٹا جائیگا اور زنا میں رجم اور کوڑوں کی نوبت آئے گی تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ چونکہ یہ جملہ افعال ناجائز حرام اور ممنوع ہیں لہٰذا ان پر شرعاً کوئی حکم اور سزا ہی مرتب نہ ہو؟ اپنی منکوحہ بیوی کو محرمات ابدیہ میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دینے کو شریعت کی اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں اور

اس کو اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدہ بات اور جھوٹ سے تعبیر فرمایا ہے مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا
مگر بایں ہمہ اس پہ ایک شرعی حکم مرتب ہوتا ہے جس کو کفارۂ ظہار کہتے ہیں یہ نہیں کہ اس
ممنوع امر پر کوئی حکم ہی مرتب نہ ہو (طحاری جلد ۲ صفحہ ۲۹ و زاد المعاد جلد ۴ صفحہ ۴۸) اور قذف
ممنوع ہے مگر حد اور ردّ الشہادت کا حکم اس پر بھی مرتب ہے (زاد جلد ۴ صفحہ ۴۸) یہ تو صرف ایک
سطحی قسم کی منطق ہے، اسی طرح سمجھئے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا ممنوع ہے مگر اس پر
حکم ضرور مرتب ہوگا اور اسی طرح جن حضرات کی تحقیق کے رُو سے تین طلاقیں بیک وقت
مکروہ اور غیر مستحسن ہیں بہر کیف وقوع اور ترتب ان کا بھی ہوگا اگرچہ اس فعل میں کراہت بھی
شامل ہو گی۔ اور دفعۃً تین طلاقیں دینا بلاشبہ جہالت اور حماقت کا کام ہے مگر واقع تین ہی
ہوں گی چنانچہ امام احمدؒ بن حنبلؒ (المتوفی سنہ ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ۔

ومن طلق ثلاثاً في لفظ واحد فقد جهل وحرمت عليه زوجته ولا تحل له ابداً حتى تنكح زوجاً غيره الخ (كتاب الصلوٰة صفحہ ۲۲ طبع قاهره)	جس شخص نے ایک ہی کلمہ میں تین طلاقیں دے دیں تو بے شک اس نے جہالت کا ارتکاب کیا مگر اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اور اس کے لیے وہ کبھی حلال نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے

۲- اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ ایک مجلس اور ایک کلمہ میں جو تین طلاقیں دی جاتی ہیں
ان کا شرعی کیا حکم ہے؟ آیا وہ واقع ہو جاتی ہیں یا نہیں؟ ایک واقع ہوتی ہے یا تین؟ اس
اختلاف کو حافظ ابن القیمؒ نے یوں بیان کیا ہے۔ اور بہر حال دوسرا مسئلہ ایک کلمہ سے تین
طلاقوں کے واقع ہونے کا ہے سو اس میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے، اور اس میں چار مذہب
ہیں، پہلا مذہب یہ ہے کہ تینوں ہی واقع ہو جائیں گی حضرات ائمہ اربعہؒ (حضرت امام
ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ) جمہور تابعینؒ
اور اکثریت سے حضرات صحابہ کرامؓ کا یہی قول اور مسلک ہے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ
طلاقیں سرے سے واقع ہی نہ ہوں گی بلکہ رد کر دی جائیں گی کیونکہ اکھٹی تین طلاقیں دینا بدعت
اور حرام ہے اور بدعت مردود ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے

کہ جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا اَمر اور حکم موجود نہ ہو تو وہ کام اور عمل مردود ہے۔ امام ابُو محمدؒ بن حزمؒ نے (بعض سے) یہ مذہب نقل کیا ہے اور امام احمدؒ سے بھی ابن حزمؒ نے یہ مذہب نقل کیا ہے لیکن پھر انہوں نے انکار کیا ہے کہ امام احمدؒ کا یہ مذہب ہو اور کہا ہے کہ یہ رافضیوں کا قول ہے، تیسرا مذہب یہ ہے کہ ان تین طلاقوں سے ایک رجعی طلاق پڑے گی اور یہ حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے (حضرت ابن عباسؓ سے صرف غیر مدخول بہا کے بارے میں یہ ثابت ہے مدخول بہا کے بارے میں ہرگز کسی صحیح سند کے ساتھ اُن سے یہ ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا ان سے مطلق ثبوت کا قول بالکل غلط ہے بحث آگے آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔ صفدر) امام داؤدؒ نے اُن کا یہ مذہب ذکر کیا ہے (حضرت ابن عباسؓ سے قبل ان یدخل بہا کی قید سے روایت بھی ابوداؤد جلد ا ص ۲۹۹ میں ہے اور اصول حدیث کے رُو سے مطلق روایت میں اس قید اور زیادت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ صفدر) امام احمدؒ فرماتے کہ یہ امام اسحاق بنؒ راہویہؒ کا مذہب ہے۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ طلاق دینے والے نے سُنّت کی مخالفت کی ہے، لہٰذا اُس کو سُنّت کی طرف لوٹایا جائے گا ان کی بات ختم ہوئی اور عکرمہؒ اور طاؤسؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، چوتھے مذہب کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اُس عورت کو بیک وقت تین طلاقیں دی گئی ہوں جس سے خاوند ہمبستری کر چکا ہے تو وہ تین ہی متصور اور واقع ہو جائیں گی اور اگر اُس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں جس کے ساتھ خاوند نے ابھی تک ہمبستری نہیں کی تو اس کے حق میں تین طلاقیں ایک ہو گی اور حضرت ابن عباسؓ کے اصحاب میں سے ایک گروہ کا یہی قول ہے اور امام محمدؒ بن نصر المروزیؒ نے اپنی کتاب اختلاف العلماء میں یہی قول امام اسحاقؒ بن راہویہؒ کا بھی نقل کیا ہے الخ (زاد المعاد جلد ۴ ص ۵۴) اور اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۴ سے ص ۴۴ تک اس مسئلہ پر خاصی بحث انہوں نے کی ہے اور اسی طرح حافظ ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ ج ۳ ص ۱۳ تا ص ۲۵ میں بحث کی ہے۔ ان حضرات کے دلائل و براہین نہایت اختصار کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر بیان ہوں گے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی مقام پر چند اور حوالے بھی عرض کر دیے جائیں تاکہ محل نزاع کی تعیین میں کوئی اُلجھن باقی نہ رہے۔ حافظ ابو الولید محمدؒ بن احمد

المعروف بابن رشد المالکیؒ (المتوفی ۵۹۵ھ) فرماتے ہیں کہ اکناف و اطراف اور شہروں کے جمہور فقہاء کرامؒ فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس کے بعد عورت حرام ہو جائے گی جیسے تیسری طلاق کے بعد حرام ہو جاتی ہے، اور اہل ظاہر اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ صرف ایک طلاق واقع ہو گی (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص۶۱) حضرت امام ابو زکریا یحییٰؒ بن شرف النووی الشافعیؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو مجھ پر تین طلاق ہے تو امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ اور جمہور سلف و خلف کا یہ مذہب ہے کہ تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی حضرت طاؤسؒ اور بعض اہل ظاہر فرماتے ہیں کہ صرف ایک ہی طلاق واقع ہو گی اور حجاجؒ بن ارطاۃ اور محمدؒ بن اسحاقؒ سے بھی یہی مروی ہے (شرح مسلم جلد ۱ ص۴۷۸) امام ابو البرکات عبد السلام ابن تیمیہ الحنبلیؒ (المتوفی ۶۲۱ھ) فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے پر اجماع ہے (منتقی الاخبار ص۲۲۶ و مع النیل جلد ۶ ص۲۴۳) اور حافظ احمدؒ بن عبد الحلیم ابن تیمیہ الحنبلیؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) جمہور کا مسلک یوں نقل کرتے ہیں کہ:

ولما ثبت عندهم عن ائمة الصحابةؓ	اور جب ان کے نزدیک ائمہ صحابہؓ سے یہ ثابت
انهم الزموا بالثلاث المجموعة قالوا	ہے کہ انہوں نے تین اکٹھی طلاقوں کو لازم قرار دیا ہے
او يلزمون بذلك الا وذلك مقتضى	تو وہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ سے تو بلا دلیل
الشرع واعتقد طائفة لزوم هذا	شرعی ایسا نہیں ہو سکتا اور اس گروہ نے اس کے لزوم کا اعتقاد
الطلاق وان ذلك اجماع لكونهم لم	کیا اور یہ ان کے نزدیک اجماعی امر ہے کیونکہ اس کے
يعلموا خلافا ثابتا اھ (فتاوی ج۳ ص۲۱ طبع مصر)	خلاف ان کے علم میں کچھ ثابت ہی نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جمہور کے علم میں اس اجماع ثابت کے خلاف کوئی اور بات نہ تھی۔

امام ابو جعفر احمدؒ بن محمد الطحاوی الحنفیؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

فخاطب عمر رضی اللہ عنہ بذلك	حضرت عمرؓ نے سب لوگوں سے اس بارے میں
الناس جميعا وفيهم اصحاب رسول	خطاب فرمایا اور ان میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

الله صلی الله علیه وآله وسلم و
رضی الله عنهم الذین قد علموا ما
تقدم من ذلك فی زمن رسول الله
صلی الله علیه واٰله وسلم فلم ینکره
علیه منهم منکر ولم یدفعه دافع
کان ذالك اکبر الحجة فی نسخ ما تقدم
من ذلك لانه لما کان فعل اصحاب
رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم
جمیعًا فعلا یجب به الحجة کان کذلك
ایضًا اجماعهم علی القول اجماعا یجب
به الحجة وکما کان اجماعهم علی النقل
بریئا من الوهم والزلل کان کذلك
اجماعهم علی الرأی بریئا من
الوهم والزلل اھ (شرح معانی الآثار ص۲۹ ج۲)

علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ بھی تھے جو بخوبی جانتے
تھے کہ اس سے قبل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ واٰلہ وسلم کے زمانہ میں اس کے متعلق کیا
ہوتا رہا ؟ لیکن ان میں سے کسی نے اس کا انکار
نہیں کیا اور نہ کسی نے حضرت عمرؓ کے اس حکم ٹالا
تو یہ ایک بہت بڑی حجت ہے کہ اس کے خلاف
جو پہلے ہوتا رہا وہ منسوخ ہے کیونکہ جب
حضور علیہ السلام کے تمام صحابہ کرامؓ ایک عمل پر
متفق ہو جائیں تو وہ لازماً حجت ہے اسی طرح کسی
قول پر ان کا اجماع بھی لازماً حجت ہے اور جس
طرح نقل پر ان کا اجماع وہم وخطاء سے پاک ہے
اسی طرح رائے پر بھی ان کا اجماع وہم خطاء سے
بری ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اس مسئلہ پر حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اجماع ہو چکا تھا اور وہ بھی حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں لیکن کسی ایک نے بھی اس اجماع سے اختلاف نہ کیا اور نہ کسی منکر نے اس کا انکار کیا اور حضرات صحابہ کرامؓ کا قولی اور فعلی دونوں قسم کا اجماع ایک واضح حجت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ۔

تحریم متعہ اور اسی طرح تین طلاقوں کے تین ہونے پر حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اتفاق و اجماع واقع ہو چکا تھا اور ان کا اجماع خود اس امر پر دال ہے کہ ان کو ناسخ کا علم ہو چکا تھا۔ اگرچہ اس سے پہلے بعض کو اس کا علم نہ ہو سکا ہو۔ اب جو شخص اس اجماع کے

بعد اس کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اجماع کا منکر اور اس کا تارک ہے اور جمہور کا اتفاق ہے کہ اجماع کے بعد اختلاف پیدا کرنا مردود ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۳)

حافظ محمدؒ بن عبد الواحد المعروف بابن الھمام الحنفیؒ (المتوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور حضرات صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور ائمہ مسلمین کا یہی مذہب ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ (فتح القدیر جلد ۳ ص ۲۵ طبع مصر) اور اس پر وہ حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع نقل کرتے ہیں (الصفحۃ ۲)

علامہ بدر الدین ابو عبد اللہ محمدؒ بن علی البعلی الحنبلیؒ (المتوفی ۷۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں جو بیوی کو ہمبستری سے پہلے دی جائیں یا بعد کو دی جائیں دونوں صورتوں کا حکم ائمہ دینؒ کے نزدیک ایک ہی ہے وہ یہ کہ وہ بیوی اس خاوند پر حرام ہو جاتی ہے وھو قول اکثر العلماء اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ (مختصر الفتاوی المصریۃ ص ۲۲۶)

حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور ان کے پیشوا حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ لوگوں نے طلاق کے معاملہ میں دفعۃً تین طلاقیں دے کر حماقت کا ثبوت پیش کرنا شروع کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ راشد اور ان کے دیگر رفقاء کی زبان پر شرع اور تقدیر کے رُو سے یہ حکم جاری اور ساری کر دیا کہ جو چیز لوگوں نے اپنے اوپر لازم کر رکھی ہے اس کا اجراء اور نفاذ کر دیا جائے (اعلام الموقعین جلد ۲ ص ۲۷)

حافظ بدر الدین محمودؒ بن احمد العینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ جمہور علماء کا جن میں تابعینؒ اتباع تابعینؒ اور بعد کے حضرات شامل ہیں یہ مذہب ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور یہی امام اوزاعیؒ، امام نخعیؒ، امام ثوریؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ بن راہویہؒ، امام ابو ثورؒ اور امام ابو عبیدہؒ وغیرہ کا مذہب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۵۲۷)

اور علامہ محمد عبد الرحمن الدمشقی الشافعیؒ (المتوفی ــــ ھ) لکھتے ہیں کہ ائمہ اربعہؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس عورت کو بحالت حیض طلاق دی گئی ہو جب کہ اس سے ہمبستری ہو چکی ہو یا ایسے طہر میں طلاق دی گئی ہو جس میں اس سے جماع کیا گیا ہو تو یہ کارروائی تو حرام ہے۔

الا انہ یقع وکذلک جمع الطلاق	مگر بلاشک طلاق واقع ہو جائے گی اور اسی طرح
الثلاث محرم ویقع اھ (رحمۃ الامۃ برحاشیہ	تین طلاقوں کا جمع کرنا بھی حرام ہے لیکن واقع
میزان الشعرانی جلد ۲ ص طبع مصر)	ہو جائیں گی۔

حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوالحسن علیؒ بن عبداللہؒ بن ابراہیم اللخمی المشطیؒ نے کتاب الوثائق الکبیر تصنیف فرمائی ہے اور اس جیسی کتاب اس باب میں تصنیف نہیں کی گئی اس کتاب میں موصوف لکھتے ہیں کہ۔

الجمهور من العلماء علیٰ انہ یلزمہ الثلاث	جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ تین طلاقیں اس پر لازم
وبہ القضاء وعلیہ الفتوٰی وھو الحق	ہیں یہی فیصلہ ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور یہی حق ہے
الذی لا شک فیہ الخ (اغاثۃ جلد ا ص۳۲۶)	جس میں کوئی شک نہیں۔

امام محمدؒ بن عبدالباقیؒ بن یوسف الزرقانی المالکیؒ (المتوفی ۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں کہ۔

والجمهور علیٰ وقوع الثلاث بل حکی ابن	جمہور تین طلاقوں کے وقوع کے قائل ہیں بلکہ امام ابن عبدالبرؒ
عبد البر الاجماع قائلاً ان خلافہ شاذ لا	نے یہ کہتے ہوئے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس کے خلاف
یلتفت الیہ انتہیٰ زرقانی شرح موطا ج۳ ص۱۶۸ طبع مصر)	قول شاذ ہے اس کی طرف التفات ہی نہیں کیا جا سکتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ جمہور اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس اجماع کے خلاف قول شاذ ہے جس کی طرف نگاہ اٹھانے اور التفات کرنے کی ہی ضرورت ہی نہیں ہے۔

امام جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ مقلدین ائمہ اربعہؒ کا بھی مذہب ہے کہ جو تین طلاقیں دفعۃً دی جائیں تو وہ تین ہی ہوتی ہیں۔ (محصل مسالک الحنفاء ص۵۶ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن) علامہ امیر یمانی محمدؒ بن اسماعیلؒ (المتوفی ۱۱۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ اہل مذاہب اربعہ اس امر پر متفق ہیں کہ لگاتار جو تین طلاقیں دی جاتی ہیں (یعنی ایک ہی کلمہ سے یا ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں، تو وہ تین ہی ہوتی ہیں۔ (سبل السلام جلد ۲ ص۲۱۵ طبع مصر) اور نیز لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ، حضرت

ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا یہی مذہب ہے، اور حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت یہی ہے (بلکہ صحیح روایت ہی حضرت علیؓ سے یہی ہے۔ اور یہی مذہب حضرت عثمانؓ کا نقل کیا گیا ہے تعلیق المغنی ص۴۳۰ ج۲) اور فقہاء اربعہؒ اور جمہور سلف وخلف کا یہی مسلک ہے (سبل السلام ص۲۱۴ ج۳)

اور حافظ ابن القیمؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جمہور نے یہی مذہب حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت حسنؓ بن علیؓ کا نقل کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ تابعینؒ کا تو کچھ شمار ہی نہیں ہے (اغاثۃ اللہفان جلد ۱ ص۲۲۲ طبع مصر) اور اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو علی الترتیب اغاثۃ ص۳۲۱ ج۱ و ص۳۲۱ ج۱ و ص۳۲۲ ج۱) پھر آگے لکھتے ہیں کہ۔

وذلك الاجماع على وقوع الثلاث ابوبكر بن العربي وابوبكر الرازي وهو ظاهر كلام الامام احمد الخ (اغاثة اللهفان ص۳۲۳ ج۱)

تین طلاقوں کے واقع ہونے پر امام ابوبکر بن العربیؒ اور امام ابوبکر الرازیؒ نے اجماع نقل کیا ہے اور امام احمدؒ بن حنبلؒ کے کلام کا ظاہر بھی اسی کو چاہتا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابن العربیؒ اور ابوبکر الرازیؒ بھی امام ابن عبدالبرؒ کی طرح اس مسئلہ پر اجماع نقل کرتے ہیں۔

علامہ سید آلوسی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ جب حضرات صحابہ کرامؓ کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے تو بغیر کسی نص کے توبہ نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء کا بھی اسی پر اتفاق ہے (روح المعانی ص۱۳۶ ج۲)

اور قاضی محمدؒ بن علی الشوکانیؒ (المتوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور تابعینؒ اور حضرات صحابہ کرامؓ کی اکثریت اور ائمہ مذاہب اربعہ اور اہل بیت کا ایک طائفہ جن میں حضرت امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب بھی ہیں یہی مذہب ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں (نیل الاوطار ص۲۴۵ ج۶)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق صاحبؒ (المتوفی ___ھ) لکھتے ہیں کہ ائمہ اربعہؒ اور جمہور علماء اسلام کا یہی مذہب ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ (عون المعبود جلد ۲ ص۲۲۹

والتعلیق المغنی جلد ۲ صفحہ ۴۳۲) اور لطف بالائے لطف یہ ہے کہ مشہور ظاہری محدث امام ابو محمدؒ بن حزمؒ بھی تین طلاقوں کے وقوع کے قائل ہیں (ملاحظہ ہو محلّٰی جلد ۱ صفحہ ۲۰۶)

اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ :

وخالفهم ابومحمد بن حزم فی ذلك فاباح جمع الثلاث واوقعها اھ (اغاثة اللهفان جلد ۱ صفحہ ۳۲۹)

اہل ظاہر کے ساتھ امام ابو محمدؒ بن حزمؒ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کیونکہ ابن حزمؒ اکٹھی تین طلاقوں کے جمع کرنے اور ان کے وقوع کے جواز کے قائل ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جملہ اہل ظاہر حضرات بھی تین طلاقوں کے عدم وقوع پر متفق نہیں ہیں اور علامہ ابن حزمؒ ان کے اس نظریہ کے مخالف ہیں۔ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ ہمارے استاد محترم حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے دادا ابو البرکات بن تیمیہؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ کبھی کبھی مخفی طور پر (یفتی بذلك سرا) تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فتویٰ دے دیتے تھے (لیکن ان کا اپنا اجماع کا حوالہ اس کے خلاف پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ صفدر) اور انہوں نے اپنی بعض تصنیفات میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے بعض اصحاب نے بھی تین کے ایک ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ مالکیوںؒ کے قول کے بارے میں اختلاف پہلے بیان کر دیا گیا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے

ؒ شیخ خلیل احمد المالکیؒ اپنی کتاب توضیح میں تلمسانیؒ کا یہ قول کرتے ہیں کہ ہمارے (مالکیوں کے) نزدیک بھی ایک قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے دے تو وہ ایک ہی ہو گی اور انہوں نے یہ بیان کیا کہ یہ کتب نوادر میں ہے لیکن میں نے خود دیکھا نہیں، ان کا قول ختم ہوا مگر جمہور تین طلاقوں کو تین ہی سمجھتے ہیں الخ (ارشاد الساری جلد ۸ صفحہ ۱۵۸ طبع مصر) ظاہر بات ہے۔ ظاہر کتب کے مقابلہ میں کتب نوادر پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے؟ اور لطف یہ ہے کہ وہ قول بھی خود ناقل نے بھی دیکھا نہیں بلکہ محض شنید ہے تو دید کے مقابلہ میں نری شنید کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور پھر وہ بعض مالکی حضرات جنہوں نے تین طلاقوں کو ایک قرار دیا ہے تاریخی طور پر کوئی مشہور و معروف شخصیتیں بھی نہیں ہیں، حافظ ابن القیمؒ اور مولانا عبد الحئی لکھنوی نے حضرت امام مالکؒ کا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی (اغاثہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۹ و حاشیہ شرح وقایہ جلد ۲ صفحہ ۹۳) مگر یہ نسبت قطعاً اور یقیناً باطل ہے کیونکہ امام مالکؒ خود اپنی کتاب موطا امام مالک صفحہ ۱۹۹ و ۲۰۰ میں تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے ہیں بلکہ لفظ بتہ کو بھی تین ہی پر حمل کرتے ہیں۔ (موطا امام مالک صفحہ ۲۰۰ و ترمذی صفحہ ۱۴۰ جلد ۱)

اصحاب میں سے محمدؒ بن مقاتلؒ جو ان کے اصحاب کے تیسرے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں تین طلاقوں کو ایک کہنے کے قائل تھے (حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی محمدؒ بن مقاتلؒ کا ذکر کیا ہے فتاوی ص۱۳ ج۳) اور اصحاب امام احمدؒ سے اگر استاد محترم کی مراد اپنے دادا جی ہیں جو کسی وقت تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فتویٰ دے دیا کرتے تھے تو بات جدا ہے۔

والا فانا اقف علی نقل لاحد منهم — ورنہ میں حنبلیوں میں سے کسی کی نقل پر آگاہ نہیں ہو سکا۔

انتهى (اغاثة جلد ۱ ص ۳۲۷)

مالکیوں میں سے کسی کا قول کسی معتبر طریقہ سے منقول نہیں محض نقل اور حکایت ہی ہے کہ فلاں نے فتویٰ دیا اور فلاں نے یہ کہا اور حنفیوں میں صرف محمدؒ بن مقاتلؒ کا نام لیا گیا ہے، نہ معلوم ان کا صحیح قول یہ ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے بھی تو جمہور احنافؒ اور خود امام ابوحنیفہؒ کے مقابلہ میں ان کی ذاتی رائے کیا حیثیت رکھتی ہے؟ اور حنبلیوں میں ابوالبرکات، ابن تیمیہؒ کے علاوہ کسی اور کے قول پر حافظ ابن القیمؒ بھی باوجود وسیع النظر ہونے کے مطلع نہیں ہو سکے تو پھر ایسے حلال و حرام کے مسئلہ میں جمہور کا دامن چھوڑ کر بعض شاذ اقوال اور غیر معصوم آراء کا کیا مقام ہو سکتا ہے؟ اور خصوصاً جب کہ باحوالہ یہ بات گذر چکی ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں تمام صحابہ کرامؓ کا اس پر اجماع ہو گیا تھا۔

حضرت مولانا امین احسن صاحب اصلاحی (حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کی تحقیق کرتے ہوئے جس کا ذکر اپنے مقام پر ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ) لکھتے ہیں۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا دروازہ بند کیا تھا جس کو بند ہی ہونا چاہیئے تھا اس وجہ سے تمام صحابہؓ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور اس پر ایک خلیفہ راشد کی رہنمائی میں تمام اہل علم کا اجماع ہو گیا۔ (عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ ص۱۱)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ۔

ایک مجلس کی تین طلاقوں کے بائن ہونے پر نہ صرف چاروں ائمہ متفق ہیں بلکہ اکثر صحابہؓ جمہور تابعینؒ اور جمہور فقہاء سب متفق ہیں یہی مذہب خلفائے راشدینؓ میں سے

حضرت عثمان غنیؓ کا ہے یہی مذہب حضرت علیؓ کا ہے اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ یہی مذہب خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی ہے جن کی روایت کی بنا پر کمیشن نے اس مذہب کو بدعت وضلالت قرار دیا ہے، قابل ذکر لوگوں میں سے ایک ابن حزمؒ (یہ مولانا اصلاحی کا نرا وہم ہے علامہ ابن حزمؒ جمہور کے ساتھ ہیں جیسا کہ باحوالہ بحث آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ صفدر) اس کے مخالف ہیں اور متاخرین میں سے امام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما، بلکہ واقعہ یہ ہے۔ کہ انہی دونوں جلیل القدر بزرگوں کی مخالفت نے اس مخالف مذہب میں ایک جان ڈالی ورنہ اس کے خلاف کوئی ایسی آواز سلف یا خلف میں موجود نہیں تھی جس کو کوئی خاص اہمیت حاصل ہو میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے گہری عقیدت رکھتا ہوں تاہم اس عنوان پر استاد اور شاگرد دونوں کی تحریریں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرنے کے بعد میں نہایت ادب کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ کتاب وسنت کی روشنی میں جمہور کا مذہب اپنے اندر زیادہ قوت رکھتا ہے اھ (عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ ص۱۰۷)

اور نیز لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس معاملہ میں صحیح راہ یہی ہے کہ مسلک جمہور کے خلاف کوئی قانون بنانے کی حماقت نہ کی جائے الخ ص۱۱۲،

اجماع حضرات صحابہ کرامؓ

اجماع حضرات صحابہ کرامؓ ایک الگ اور مستقل حجت اور دلیل ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ۔

ان اھل السنۃ والجماعۃ متفقون علی	بے شک اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں
ان اجماع الصحابۃؓ حجۃ۔ (فتح الباری ج۱۳ ص۲۶۶)	کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع حجت ہے۔

اور منہاج السنۃ جلد ۱ ص۲۵۶ اعلام الموقعین جلد ۱ ص۹۷، بدائع الفوائد جلد ۴ ص۱۷۷، احکام للعلامۃ آمدیؒ جلد ۲ ص۱۴۰، ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص۱۱۹ اور یسر من رأی جلد ۲ ص۲۴۸ وغیرہ کتابوں میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید موجود ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماع کے بعد ائمہ دین اور علماء کا اجماع بھی خاصی وزنی دلیل ہے چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ

لکھتے ہیں کہ مشائخ علم اور ائمہ دین جب کسی مسئلہ پر اجماع کرلیں تو ان کا اجماع و اتفاق حجت قطعیہ ہوگا۔ کیونکہ ضلالت پر ان کا اجماع تو کبھی نہیں ہوسکتا (الواسطہ ص۴۰) اور دفع الملام عن الائمۃ الاعلام ص۶۲ میں لکھتے ہیں کہ اجماع ایک بہت بڑی حجت ہے اور معارج الوصول ص۱۱ میں لکھتے ہیں کہ امت مرحومہ کا اجماع فی نفسہ حق ہے۔ امت کبھی ضلالت پر اجماع اور اتفاق نہیں کرسکتی یہی مضمون رسالہ الحسبہ ص۵۶ میں بھی مذکور ہے۔ اور الحسبہ ص۶۵ میں ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت مرحومہ کو خیر امت کے لقب سے ملقب کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ تم آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہو اگر امت کا اجماع باطل پر ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امت آمر بالمنکر اور ناہی عن المعروف ہوگی جس سے قرآن کریم کی تکذیب لازم آتی ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس چیز کو امت مباح کہے گی وہ مباح ہی ہوگی اور جس چیز کو امتِ مرحومہ حرام کہے گی تو وہ عند اللہ تعالیٰ بھی حرام ہی ہوگی۔ اس سے بھی زیادہ وضاحت کرتے ہوئے اپنی کتاب معارج الوصول ص۱۷ میں لکھتے ہیں

صحیح حدیث میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قریب سے ایک جنازہ گذرا حضرات صحابہ کرامؓ نے اس کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا کہ واجب ہوگئی ایک دوسرا جنازہ گذرا اور حضرات صحابہ کرامؓ نے اس کی قباحت بیان کی تو پھر آپ نے فرمایا واجب ہوگئی۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ حضرت کیا چیز واجب ہوگئی؟ آپ نے فرمایا کہ پہلے جنازہ کی تم نے مدح کی تھی اس کے لیے جنت لازم ہوگئی اور دوسرے کی تم نے مذمت کی تھی اس لیے اس کے لیے جہنم واجب ہوگئی تم زمین میں خدا کے گواہ ہو۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی شاہی گواہ ٹھہرے تو یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ باطل کی گواہی دیں لہذا ماننا پڑے گا کہ جب امت مرحومہ اور خصوصیت سے حضرات صحابہ کرامؓ کسی چیز سے متعلق یہ گواہی دیں کہ اس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو ضروری ہے کہ واقعی اس کا حکم ہوا ہوگا اور جس چیز سے منع کریں تو لابدی ہے کہ وہ چیز عند اللہ بھی ممنوع ہی ہوگی۔ اگر بفرض محال وہ باطل اور خطا پر شہادت دیں تو وہ شاہی گواہ نہیں

کہلا سکتے، بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ کی شہادت کی صفائی پیش کی ہے جیسا کہ حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفائی اور تزکیہ بیان فرمایا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ پر افترا نہیں باندھتے بلکہ حق ہی کہتے ہیں اسی طرح امت مرحومہ بھی خدا تعالیٰ پر حق ہی کہے گی، باطل کا الزام خدا تعالیٰ کے ذمہ نہیں لگاتی اور قرآن کریم کا ارشاد ہے واتبع سبیل من اناب الیّ کہ جو میری طرف انابت اور رجوع کرتا ہے سو تم اس کی اتباع کرو چونکہ امت خدا تعالیٰ کی طرف انابت کرتی ہے اس لیے ان کی اتباع واجب ٹھہری اور خصوصیت سے قرآن کریم نے سابقین اوّلین حضرات صحابہ کرامؓ کے اتباع کرنے والوں پر رضا مندی کا اظہار فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ الآية

جن مہاجرین اور انصار نے پہلے پہل اسلام قبول کیا اور جنہوں نے عمدگی کے ساتھ ان کی اتباع کی اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہے۔

تو جو شخص حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی اتباع کرتا ہے وہ یقیناً ایسی چیز پر عمل کر رہا ہے جس پر خدا تعالیٰ راضی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق سے ہی راضی ہوتا ہے باطل سے کبھی راضی نہیں ہو سکتا اور قرآن کریم کا ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ حق اس کے سامنے پیش ہو چکا ہو اور ہدایت واضح ہو چکی ہو اور مومنوں کے راستہ کے علاوہ کوئی راہ وہ تلاش کرے تو وہ جدھر کو جانا چاہتا ہے ہم اس کو اسی طرف متوجہ کر دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے جو بڑا ٹھکانا ہے۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے (جن کلمات کو امام مالکؒ نے عمدہ سمجھ کر ان پر عمل کیا) کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفاء نے سنت مرضیہ کا اجراء کیا ہے جس کو ماننا قرآن کریم کی تصدیق کرنا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور دین حق کی حمایت کرنا ہے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس سنت کو بدل دے یا اس کے خلاف پر نظر بھی اٹھائے جس شخص نے خلفاء کی اور مومنین کی مخالفت کی وہ اس آیت کا مصداق بنے گا

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا۔

پھر آگے ص۱۳ میں لکھتے ہیں کہ جو شخص جماعت مومنین کی مخالفت کرتا ہے تو وہ رسول خدا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا مخالف ہے۔ اور پھر آگے ص۲ میں لکھتے ہیں کہ جس مسئلہ پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہو، اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لامحالہ کوئی نص موجود ہوگی تو جو شخص امت مرحومہ کے اجماع کا مخالف ہوگا وہ رسول کا مخالف ہے جیسا کہ رسول کا مخالف خدا کا نافرمان ہوتا ہے۔ اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ جس بات پر بھی اجماع ہوگا اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ضرور ہوگا یہی حق اور صواب ہے، کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں ہو سکتا جس پر اجماع ہو اور اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بیان موجود نہ ہو مگر کبھی کبھی بعض سے یہ بیان مخفی رہ جاتا ہے اور وہ اجماع سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ انتہیٰ ما قالہ ابن تیمیہؒ۔

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کے فرزند اصغر سید میر علی حسن خان طاہرؒ حافظ ابن کثیرؒ کی مشہور کتاب الباعث الحثیث کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ امت مرحومہ خطاء سے معصوم ہے جس چیز کو امت صحیح کہے گی اور اس پر عمل پیرا ہوگی تو ضروری ہے کہ نفس الامر میں بھی وہ چیز صحیح اور حق ہی ہو (حاشیہ دلیل الطالب ص۹۸۲)۔

اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں کہ امت مرحومہ جب کسی چیز کی نقل پر متفق ہو جائے تو وہ خطاء سے معصوم ہوگی (الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص۴۹)

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور خلفاء راشدینؓ کے عمل کے بعد کسی اور کی بات قابل تسلیم ہی نہیں (محصلہ زاد المعاد جلد ا ص۹۹)

ان ٹھوس اور صریح حوالوں کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ اور امت مرحومہ کے اجماع سے اعراض و اغماض کرنا کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتا کیونکہ حق انہیں کے ساتھ ہے اور مشہور ہے کہ ؎

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

فائدہ: جمہور اہل اسلام کے اتفاق و اجماع کے مقابلہ میں کسی کا کوئی قول حجت نہیں

اثر انداز نہیں ہو سکتا سبھی مسلمان جانتے ہیں کہ رافضیوں کا قول قرآن کریم کی کمی و بیشی کے بارے میں قرآن کریم کی قطعیت پر کوئی زد نہیں ڈالتا اور اسی طرح منکرین حدیث کا سرے سے حدیث ہی سے انکار کر دینا حدیث کی حجیت میں رخنہ نہیں ڈالتا اسی طرح متعدد مسائل ہیں جن پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق و اجماع ہے اور معتزلہ و خوارج و روافض و جہمیہ اور کرامیہ وغیرہ باطل فرقے ان سے اختلاف کرتے ہیں، لیکن ان کا قول اجماع پر اثر انداز نہیں ہو سکا اور نہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مسئلہ ختم نبوت ایک قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے اور قادیانی اس کے خلاف ہیں مگر اس اختلاف سے مسئلہ کے اجماعی ہونے پر کیا زد آتی ہے؟ متعہ کے حرام ہونے پر اجماع امت ہے مگر رافضیوں کا قول اس کے خلاف ہے اور محدث ابن جریجؒ (جن کی بخاری اور مسلم میں بے شمار حدیثیں آتی ہیں) نے نوے[۹۰] عورتوں سے متعہ کیا تھا اور اس کو جائز سمجھتے تھے (میزان الاعتدال جلد ۲ صـ ۱۵۱) مگر اس سے اجماع پر کیا زد پڑی؟ اپنی بیوی سے لواطت کرنا بالاجماع حرام ہے مگر بخاری جلد ۲ صـ ۲۴۹ میں (علی تفسیر) حضرت ابن عمرؓ سے کچھ اور ہی منقول ہے اور حافظ ابن تیمیہؒ اس فعل کی اجازت فضلاء مدنیین کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں (رفع الملام عن ائمۃ الاعلام صـ ۷ طبع مصر) لیکن اس سے اصل مسئلہ پر کیا زد پڑتی ہے؟ مطلقہ ثلاثہ پہلے خاوند کے لیے تب حلال ہو سکتی ہے جب دوسرا خاوند نکاح صحیح کے ساتھ اس سے مجامعت بھی کرے اور اس پر اجماع ہے لیکن جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ کے نزدیک حلت نکاح کے لیے دوسرے خاوند کی مجامعت شرط نہیں محض نکاح اور پھر طلاق کافی ہے (نووی شرح مسلم صـ ۴۶۳ ج ۱) اور یہی قول بعض خارجیوں کا نقل کیا گیا ہے۔ (کتاب الاعتبار للحازمیؒ صـ ۱۸۲) مگر ان اقوال سے اجماع پر کیا زد پڑ سکتی ہے؟۔

امام نوویؒ، قاضی شوکانیؒ اور علامہ جزائریؒ لکھتے ہیں کہ داؤد ظاہریؒ کی مخالفت سے اجماع پر کوئی زد نہیں پڑتی (شرح مسلم صـ ۲ ج ۲ و شرح بلوغ المرام صـ ۹ و توجیہ النظر صـ ۴۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض حضرات کی مخالفت اجماع پر اثر انداز نہیں ہوتی یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ حسب تحقیق نواب صدیق حسن خان صاحب اجماع کے لیے تمام ائمہ مجتہدین

کا اتفاق ضروری نہیں اگر یہ شرط ہو تو اجماع کا ان کے قول کے مطابق سرے سے وجود ہی مفقود ہو گا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ۔

ولا یتوھم ان المراد بالمجتھدین جمیع مجتھدی الامۃ فی جمیع الاعصار الی یوم القیمٰۃ فان ھذا توھم باطل لانہ یودی الی عدم ثبوت الاجماع اھ (الجنۃ ص۹)	اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ مجتہدین سے تمام زمانوں میں قیامت تک امت کے سارے مجتہد مراد ہیں کیونکہ یہ بڑا باطل وہم ہے اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ پھر سرے سے اجماع ہی ثابت نہیں (حالانکہ وہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے)

لہٰذا جن بعض حضرات کے اقوال اور فتوے اس مسئلہ میں جمہور کے اجماع کے خلاف نقل کیے جاتے ہیں ان کی کوئی وقعت نہیں ہے اور وہ سب کے سب شاذ ہیں جو قابل عمل نہیں۔

چنانچہ علامہ احمدؒ بن محمد القسطلانی الشافعیؒ (المتوفی ۹۲۳ھ) تین طلاقوں کو ایک سمجھنے والوں کے مذہب کے متعلق لکھتے ہیں کہ۔

بانہ مذھب شاذ فلا یعمل بہ اذ ھو منکر اھ (ارشاد الساری ج۸ ص۱۵۷ طبع مصر)	یہ مذہب شاذ و منکر ہے اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

یہ عبارت اپنے مدلول پر وضاحت سے دال ہے۔

بعض حضرات نے (جس میں امیر یمانیؒ دیکھئے سبل السلام جلد ۳ ص۲۱۵ اور قاضی شوکانیؒ بھی ہیں دیکھئے نیل جلد ۶ ص۲۴۵) تکثیر سواد کے لیے تین طلاقوں کے ایک ہونے کے سلسلہ میں ہادی۔ قاسم باقر اور ناصر وغیرہ کے نام بھی لیے ہیں کہ یہ بھی اس کے قائل ہیں مگر یہ تمام زیدی شیعہ ہیں (ملاحظہ ہو دلیل الطالب ص۵۶۷ وغیرہ) اور شیعہ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک تصور ہوتی ہے چنانچہ ان کی مشہور و معروف کتاب فروع کافی میں ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال ایاک والمطلقات ثلاثا فی مجلس فانھن ذوات ازواج (جلد۲ ص۱۰۰)	امام ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ جن عورتوں کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی گئی ہوں ان سے نکاح کرنے سے بچنا کیونکہ وہ خاوندوں والی ہیں (یعنی ابھی تک وہ پہلے خاوندوں پر حرام نہیں ہوئیں)

اس لیے ان لوگوں کا اس سلسلہ میں پیش کرنا بے سود ہے۔ اور اسی طرح احمد بن عیسٰی اور

عبد اللہ بن موسیٰ وغیرہ کا جو مجہول لوگ ہیں (ملاحظہ ہو الازہار المربوعہ ص۱۵ از حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی) پیش کرنا بھی چنداں مفید نہیں کیونکہ حلال و حرام کے مسئلہ میں معروف ائمہ دین اور حضرات صحابہ کرامؓ اور امت مرحومہ کے اجماع و اتفاق کو چھوڑ کر کون ایسے غیر معتبر اور مجہول لوگوں کی تحقیق پر اعتماد کرتا ہے؟ اور ان پر اعتبار کر کے کب کوئی عند اللہ تعالیٰ و عند الناس سرخرو ہو سکتا ہے؟ ہاں البتہ اس مسئلہ میں بزعم خود علمی اور تحقیقی طور پر جن حضرات نے گرمجوشی کے ساتھ حصہ لیا ہے وہ حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے وفادار شاگرد حافظ ابن القیمؒ ہیں اور انہی کے جمع کردہ بے جان دلائل سے زمانۂ حال کے غیر مقلدین حضرات لیس ہیں اور انہی سے ان کی جان میں جان آگئی ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اگرچہ دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی حق جمہور کے ساتھ ہے اور دوسرا پہلو نہایت ہی کمزور اور انتہائی مرجوح ہے لیکن اس میں بھی اکیلے دوکیلے حضرات کا اختلاف حضرات تابعینؒ کے دور سے چلا آرہا ہے، حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کے دور میں کسی غالی مفتی نے یہ فتویٰ دیا کہ جو شخص تین طلاقوں کو ایک قرار دیتا ہے تو وہ کافر اور مرتد ہے اور اس کا قتل جائز ہے جب اس طرف سے یہ سختی ہوئی تو قدرتی بات تھی کہ دوسری طرف سے بھی ایسی ہی سختی ہوتی اور حافظ ابن تیمیہؒ کے مزاج میں حدت اور شدت تو تھی ہی اُن سے نہ رہا گیا اور اس غالی مفتی کے مقابلہ میں برسرِ میدان نکل آئے اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن القیمؒ جو اپنے استاد محترم کے بے حد مداح اور ان پر اعتماد کرتے تھے، ان سے تعاون اور تناصر اور جمع اولہ پر کمر بستہ ہو گئے اور بعض دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی دونوں بزرگوں نے بڑی تکلیف اٹھائی اور خاصی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور ان کا اصل مقصد صرف یہ تھا کہ اختلافی مسائل میں اگرچہ کوئی پہلو نہایت ہی مرجوح اور کمزور ہو پھر بھی یہ شدت نامناسب ہے، کہ اس مرجوح پہلو کو لینے والے حضرات کو کافر اور مرتد قرار دیا جائے اور اس کے قتل کا فتویٰ صادر ہو اگر یہی وتیرہ رہا تو ائمہ دین میں سے کسی کی خیر نہیں کیونکہ انہوں نے کسی نہ کسی اجتہادی خطا کا شکار ہو کر کہیں نہ کہیں مرجوح اور کمزور پہلو کو بھی اختیار کیا ہے، ہماری دانست اور فہم کے مطابق ان دونوں بزرگوں کی شدت صرف اسی پہلو کے پیش نظر ہے، باقی جمہور سے

خلاف محض ضمنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حافظ ابن القیمؒ ایسے غالی مفتی کے متشددانہ رویہ کو پیش نظر رکھتے ہیں تو زاد المعاد۔ اغاثۃ اللہفان اور اعلام الموقعین وغیرہ میں خوب دلائل سے بحث کرتے ہیں اور کوشش یہ کرتے ہیں کہ مرجوح پہلو کی بھی کچھ نہ کچھ اصل بنائیں اور جب اس نظریہ سے ذھول ہوتا ہے تو تہذیب سنن ابی داؤد میں قاضی ابوبکر ابن العربیؒ کے حوالہ سے جمہور کے دلائل پیش کرتے ہیں اور وہاں نہ تو ان کا رد کرتے ہیں اور نہ دوسری طرف کے دلائل کا سوال ہی سامنے لاتے ہیں اور جمہور کے دلائل نقل کر کے چپ سادھ لیتے ہیں حتیٰ کہ محشی کو یہ شکوہ کرنا پڑا ہے کہ نامعلوم حافظ ابن القیمؒ خلاف عادت یہاں کیوں خاموش ہو گئے ہیں اور ان دلائل کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ (ملاحظہ ہو حاشیہ تہذیب سنن ابی داؤد جلد ۳ ص ۱۲۹ طبع مصر)

چنانچہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن القیمؒ تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں کے کچھ نام لیتے ہیں جن میں ابن زنباع، محمد بن بقی بن مخلد، محمد بن عبد السلام اور اصبغ بن الحباب وغیرہ ہیں اور جن میں بیشتر اہل ظاہر حضرات ہیں آگے بحث کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

افتری الجاهل الظالم المعتدی یجعل هؤلاء کلهم کفاراً مباحة دماؤهم؟ (اغاثۃ اللہفان ص ۳۲۹ ج ۱ طبع مصر)

کیا پس تو دیکھے گا اس جاہل ظالم اور بے انصاف کو کہ وہ ان سب حضرات کو کافر قرار دے گا اور ان کے قتل کر دینے کو روا رکھے گا؟

حافظ ابن القیمؒ کی اس عبارت کو بار بار پڑھیے اور ملاحظہ کیجیے کہ اس مسئلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کا ایک کمزور اور شاذ قول کو لے کر ایک قسم کی جدت شدت اور حدت اختیار کرنا کس بات پر مبنی ہے؟ ظن غالب ہے، کہ اگر دوسری جانب سے اس مسئلہ کو دلائل اور براہین کی حد تک رکھا جاتا اور جمہور کے دلائل کو اجاگر کیا جاتا اور بے جا تشدد سے کام نہ لیا جاتا تو حافظ ابن تیمیہؒ کو بھی اپنی برقی طبیعت سے کام نہ لینا پڑتا اور حافظ ابن القیمؒ بھی اپنے استاد محترم کے موقف کو قوی کرنے کے لیے مردود دلائل میں اپنے قلم کے زور

سے جان ڈالنے اور روح پھونکنے کے درپے نہ ہوتے اور حافظ ابن القیمؒ ہی امام طحاوی الحنفیؒ کی کتاب الآثار کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں کا اختلاف اور ان کے دلائل بیان کئے ہیں۔

ثم ذكر حجج الآخرين والجواب عن حجج هؤلاء على عادة اهل العلم والدين في انصاف مخالفيهم والبحث معهم ولم يسلك طريق جاهل ظالم متعد يبرك على ركبتيه ويفجر عينيه ويصول بمنصبه لا بعلمه ويسوء قصده لا بحسن فهمه ويقول. القول بهذه المسئلة كفر يوجب ضرب العنق ليبهت خصمه ويمنعه عن بسط لسانه والجري معه في ميدانه الخ

(اغاثہ جلد ۱ ص ۳۲۷)

پھر امام طحاویؒ نے دوسرے حضرات کے دلائل بیان کئے ہیں اور تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں کے دلائل کا جواب دیا ہے جیسا کہ اہل علم اور دیندار حضرات کا شیوہ ہے کہ اپنے ساتھ مخالفت رکھنے والے سے انصاف کرتے اور اس سے بحث کرتے ہیں اور امام طحاویؒ کسی جاہل ظالم اور بے انصاف کے راستہ پر نہیں چلے جو دو زانو ہو کر بیٹھ جائے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر محض اپنے منصب کے ذریعہ دوسرے پر حملہ آور ہو نہ کہ علم کے ذریعہ اور بُرے ارادہ سے اس کے درپے ہو نہ کہ حسن فہم سے اور یہ کہے کہ اس مسئلہ میں کلام کرنا ہی کفر ہے اور کلام کرنے والا قابل گردن زدنی ہے تاکہ اس طرح دوسرے فریق کو خاموش کرا دے اور اس کو لب کشائی ہی سے روکے اور میدان علم میں اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہی نہ ہو۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ حافظ ابن القیمؒ کا اپنے استاد محترم کی طرح اس مسئلہ میں جتنا غلو بھی ہے وہ محض غلو کے مقابلہ میں ہے اور تشدد کے مقابلہ میں جذباتی طبیعتوں کے لیے تشدد ایک نفسیاتی امر ہے اگر دوسری طرف سے یہ غلو نہ ہوتا اور تکفیر اور قتل کے فتوے صادر نہ ہوتے تو حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ وغیرہ بھی اس میں شدت اور غلو سے کام نہ لیتے اور نہ مصائب برداشت کرتے علاوہ ازیں ان کی شدت کی ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ ان کو اس مسئلہ کی وجہ سے لوگوں کی طرف سے کافی سزا بھی دی

گئی تھی اور یہ ایک فطری اور طبعی بات ہے کہ جب ایک جانب سے سختی ہو تو دوسری طرف سے زیادہ شدت اختیار کر لی جاتی ہے۔ چنانچہ امیر یمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ۔

واشتد نكيرهم على من خالف ذلك وصارت هذه المسألة علماً عندهم للرافضة والمخالفين وعوقب بسبب الفتيا بها شيخ الاسلام ابن تيمية وطيف بتلميذه الحافظ ابن القيم على جمل بسبب الفتوى بعدم وقوع الثلاث الخ (سبل السلام ص ۲۱۵ ج ۳)

اور انہوں نے اپنے مخالفین پر نہایت سختی سے انکار کیا ہے اور تین طلاقوں کو ایک سمجھنا ان کے نزدیک رافضیوں اور مخالفین کی علامت ہے، اور اسی فتویٰ کے رو سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو سزا دی گئی اور ان کے شاگرد حافظ ابن القیم کو تین طلاقوں کے نہ واقع ہونے کے فتویٰ کی وجہ سے اونٹ پر سوار کر کے (بطور سزا کے) پھرایا گیا۔

اور فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص ۴۵ طبع بمبئی میں ہے نواب صدیق حسن خان مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے منفردات لکھے ہیں اس فہرست میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تین طلاق کے ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا شیخ الاسلام اور ان کے شاگرد ابن قیم پر مصائب برپا ہوتے ان کو اونٹ پر سوار کر کے درّے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی قید کئے گئے اس لیے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامت روافض کی تھی ص ۲۱۸ الخ

اور پھر آگے اسی صفحہ میں لکھا ہے کہ۔

اور التاج المکلل مصنفہ نواب صدیق حسن خان صاحب ص ۲۸۶ میں ہے کہ امام شمس الدین ذہبی باوجود شیخ الاسلام کے شاگرد اور معتقد ہونے کے اس مسئلہ میں سخت مخالف ہیں الخ ظاہر بات ہے کہ چونکہ عمومی طور پر اس وقت تک دفعۃً تین طلاقوں کے واقع ہونے کا مسلک رافضیوں کا تھا اور اہل السنت والجماعت اس کے مخالف تھے اس لیے ان حضرات پر تشدد کیا گیا اور ان کی خوب پٹائی ہوئی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے اس مسلک کو اختیار کرنے سے یہ پہلو حق اور صحیح ہو گیا اور جمہور کا مسلک جس پر ان کا اجماع

اتفاق ہے وہ کمزور ہو گیا حق بہر حال جمہور کے ساتھ ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں طریقے پسندیدہ نہیں ہیں نہ تو ایسے شاذ اور خلافِ اجماع قول پر بے جا اصرار اور ضد ہی بھلی ہے اور نہ کسی بھی اختلافی مسئلہ میں اگر وہ مرجوح و کمزور پہلو کا حامل ہی کیوں نہ ہو جب کہ بعض سلف صالحین سے اختلاف چلا آ رہا ہو) دوسرے فریق کی مار پٹائی درست ہے۔ اور نہ اس کو کافر اور مرتد قرار دینا اور قابلِ گردن زدنی قرار دینا صحیح ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی (المتوفی ۱۳۷۲ھ) ایسے ہی ایک استفسار کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

الجواب:۔ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمہ اربعہؒ اس پر متفق ہیں جمہور علماء اور ائمہ اربعہؒ کے علاوہ بعض علماء اس کے ضرور قائل ہیں کہ ایک رجعی طلاق ہوتی ہے اور یہ مذہب اہلحدیث نے بھی اختیار کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ اور طاؤسؒ اور عکرمہؒ و ابن اسحاقؒ سے منقول ہے۔ پس کسی اہلحدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ وہ مستحق اخراج عن المسجد ہے۔

(محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ منقول از اخبار الجمعیۃ دہلی ۲۴ شعبان ۱۳۵۰ھ ماخوذ از فتاوٰی ثنائیہ جلد ۲ ص ۵۸ طبع بمبئی)

اور حق تو بہر کیف جمہور کے ساتھ ہے اور مجموعی اعتبار سے انہی کے دلائل حق اور درست ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طرفین کے کچھ دلائل بھی ہم عرض کر دیں تاکہ اصل مسئلہ کی تہ تک پہنچنا مشکل نہ ہو اور دلائل و براہین کے ساتھ مسائل کے سمجھنے والوں کے لیے مزید بصیرت و ایقان پیدا ہو۔

باب اوّل

جمہور کی پہلی دلیل

اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا قاعدہ اور ضابطہ یہ بیان فرمایا ہے کہ دو طلاقوں کے بعد رجوع کا حق حاصل ہے اور اسی طرح بیوی کو حبالۂ عقد اور نکاح میں نہ رکھنے کا حق بھی اسے پہنچتا ہے لیکن۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ قال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فالقرآن واللہ اعلم یدل علی ان من طلق زوجۃ لہٗ دخل بھا اولم یدخل بھا ثلاثا لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ۔ (کتاب الام ص ۱۶۵/ج ۵ وسنن الکبریٰ جلد ۷، ص ۳۳۳)

سو اگر اُس نے اس کو اور طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے امام شافعیؒ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے پس قرآن کریم کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں عام اس سے کہ اس نے اس سے ہمبستری کی ہو یا نہ کی ہو تو وہ عورت اس شخص کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے۔

اس سے پہلے اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الآیۃ کا ذکر ہے یعنی طلاق رجعی دو دفعہ ہے اس کے بعد فَاِنْ طَلَّقَهَا الآیۃ میں حرفِ فا کے ساتھ (جو اکثر تعقیب بلا فصلہ کے لیے آتا ہے) یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر دو مرتبہ طلاق دے چکنے کے بعد فوری طور پر (یعنی تیسری) طلاق دے دے تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ شرعی قاعدہ کے مطابق کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے اور پھر وہ اپنی مرضی سے طلاق

ہوئے اور عدت گذر جائے۔ اس جگہ اگر حرف ثُمَّ یا اسی قسم کا کوئی اور حرف ہوتا جو مہلت اور تاخیر پر دلالت کرتا تو اس کا مطلب متعین طور پر یہ ہو سکتا تھا کہ ایک طُہر میں ایک طلاق اور دوسرے طُہر میں دوسری طلاق اور پھر تیسرے طُہر میں تیسری طلاق ہی متعین ہے، مگر واقعہ یوں نہیں ہے یہاں حرف فَا ہے جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ دو طلاق کے بعد اگر فی الفور تیسری طلاق بھی کسی نادان نے دے دی تو اب اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایک ہی مجلس اور ایک ہی جگہ میں تین طلاقیں دی جائیں الغرض حضرت امام شافعیؒ اور امام بیہقیؒ کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے کہ اگر تین طلاقیں دے دی ہوں تو اب وہ اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام شافعیؒ اس عورت کے لیے بھی حکم عام مانتے ہیں جس سے ہمبستری نہ ہوئی ہو۔ (اولم یدخل بہا) تو تین طہر تک وہ بیچاری غیر مدخولہ رہ کر دوسری اور تیسری طلاق کی اہل کیسے رہے گی؟ کیونکہ جب وہ پہلی ہی طلاق سے اپنے خاوند سے الگ اور جُدا ہو گئی تو دوسری اور تیسری طلاق کی اس کے لیے گنجائش ہی کہاں کہ ہر طُہر پر اس کو الگ الگ طلاق دی جائے؟ اس آیت کا ظاہری مطلب تو اسی کی تائید کرتا ہے کہ تین طلاقیں جو ایک مجلس میں واقع ہوں وہ تین ہی متصور ہوں گی ہاں عموم الفاظ اور دیگر دلائل کے پیش نظر ہر ہر طُہر پر دی گئی طلاق بھی اس کے عموم میں شامل ہے جیسا کہ علامہ ابن حزمؒ کے حوالہ سے پہلے اسی آیت سے استدلال گذر چکا ہے اور ان کا یہ قول بھی بیان ہو چکا ہے فہذا یقع علی الثلاث مجموعۃ ومفرقۃ۔ کہ یہ قول تین اکھٹی طلاقوں پر اور جدا جدا دونوں پر صادق آتا ہے۔

اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ (المتوفی ۶۸ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

یقول ان طلقہا ثلاثا فلا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ۔ (سنن الکبری جلد ۷ ص ۳۷۶)

کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں وہ اس کے لیے حلال نہیں حتیٰ کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر اور مفہوم میں دفعۃً تین طلاقیں دینا بھی داخل ہے اور یہ متفرق طور پر ہی تین طلاقوں کے لیے ہی متعین نہیں اور نہ اس میں یہ نص ہے کہ دفعۃً تین طلاقوں کو یہ شامل نہ ہو۔

حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنویؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں کہ. اور حضرت عمرؓ کا اسی امر پر اہتمام کرنا اور تینوں طلاق کے وقوع کا حکم دینا اگرچہ ایک جلسہ میں ہوں صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے اور یہی قول موافق ظاہر قرآن کے ہے اھ (مجموعہ فتاوی ص۹۵ ج۲)

مشہور غیر مقلد عالم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹیؒ (المتوفی ۱۳۷۵ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ حکم (کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں) قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔ (اخبار اہلحدیث ۱۵ نومبر ۱۹۲۹ء) الغرض تین طلاقوں کا بیک کلمہ اور ایک مجلس میں واقع ہونا قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے ثابت ہے اور جمہور کا اس سے استدلال بالکل صحیح اور درست ہے جمہور کی طرف سے اس کے علاوہ قرآن کریم کی بعض دیگر آیات سے بھی اس مقصد پر استدلال کیا گیا ہے مثلاً وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ الآیۃ اور لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اور لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ الآیۃ وغیرہا وغیرہا اور وہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں ایک دو اور تین طلاق کے واقع کرنے کی تفریق نہیں کی گئی لہٰذا اگر تین بھی دفعۃً دے دی گئیں تو وہ واقع ہو جائیں گی اور جمہور کا ان سے استدلال بھی صحیح ہے۔ قاضی شوکانیؒ وغیرہ نے اس کا جواب دیا ہے مگر بالکل ناکافی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔

واجیب بان هذه عمومات مخصصة	اور ان کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ عمومات ہیں جنکی
واطلاقات مقیدة بما ثبت من	تخصیص کی گئی ہے اور مطلق آیات ہیں جن کو ان
الادلة الدالة علی المنع من وقوع فوق	دلائل سے مقید کیا گیا ہے جن سے ایک طلاق سے
الواحدة (نیل الاوطار ص۲۴۶ ج۶)	زیادہ طلاقیں دینے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شرعاً پسندیدہ طریقہ جس میں آدمی کے لیے گنجائش بھی باقی

رہتی ہے یہی ہے کہ متفرق طور پر اور ہر ایک طُہر میں ایک طلاق دی جائے۔ لیکن وہ کون سی صحیح صریح اور معمول بہ دلیل ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ ایک سے زائد طلاق بایں طور ممنوع ہے کہ اس کا اعتبار ہی نہ ہوگا؟ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کا مطلب اور تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آرہی ہے قاضی صاحب نے لفظ ادلہ استعمال کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک دلیل بھی صراحت کے ساتھ ایک سے زائد طلاق کی نفی پر دال نہیں ہے بلکہ دلائل اس کے خلاف ہیں پھر نصوص قطعیہ کے عموم اور اطلاق کو محض محتمل دلائل سے مقید اور مخصوص کرنے کا کیا معنیٰ؟ اور اس کو سننے اور تسلیم کرنے کے لیے کون تیار ہے؟ خصوصاً جب کہ جمہور کا اجماع و اتفاق بھی اس کے خلاف ہو۔

دوسری دلیل

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ۔

ان رجلاً طلق امرأتهٗ ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتحل للاول قال لا حتیٰ یذوق عسیلتها کما ذاقها الاول (بخاری ص ۷۹۱ ج ۲ واللفظ لهٗ ومسلم جلد ا ص ۴۶۳ وسنن الکبریٰ ص ۳۳۴ ج ۷)

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں سو اس نے کسی اور مرد سے نکاح کیا اور اس نے (ہمبستری سے پہلے) اسے طلاق دے دی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں جب تک کہ دوسرا خاوند اس سے ہمبستری نہ کرلے (اور لطف اندوز نہ ہو جائے)

اس حدیث میں طلق امرأته ثلاثا کا جملہ بظاہر اسی کا مقتضی ہے کہ یہ تین طلاقیں اکٹھی اور دفعۃً دی گئی تھیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ ظاہراً اسی کو چاہتا ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی اور دفعۃً دی گئی تھیں۔ (فتح الباری ص ۲۹۵ ج ۹) اور یہی مطلب اس کا حافظ بدر الدین عینیؒ بیان کرتے ہیں (عمدۃ القاری ص ۵۳۷ ج ۹) اور علامہ قسطلانیؒ اس باب کا عنوان نقل کرنے کے بعد اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ کی تفسیر

کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وھذا عام یتناول ایقاع الثلاث دفعة واحدة وقد دلت الآیة علی ذٰلک من غیر نکیر خلافاً لمن لم یجز ذٰلک الخ (ارشاد الساری ص۲۵۱ جلد ۸ طبع مصر)

اور یہ عام ہے دفعۃً تین طلاقوں کے واقع کرنے پر بھی یہ صادق ہے اور آیت اس پر دلالت کرتی ہے اور اس میں کسی کا انکار منقول نہیں بجز ان کے جو اس کو جائز نہیں سمجھتے۔

اور امام بخاریؒ نے اس پر یہ باب باندھا ہے باب من جوز (وفی نسخة اجاز) الطلاق الثلاث اور اس باب کے تحت یہ حدیث بیان کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان تین طلاقوں سے دفعۃً اور اکھٹی تین طلاقیں بھی مراد ہیں کیونکہ اگر متفرق طور پر تین طہروں میں تین طلاقیں ہی مراد ہوں تو اس میں کسی کا اختلاف ہی نہیں ہے پھر نہ معلوم حضرت امام بخاریؒ نے اس غیر اختلافی مسئلہ کے لیے باب کیوں قائم کیا اور غیر اختلافی مسئلہ کے پیچھے کیوں پڑ گئے؟ علاوہ ازیں حضرت امام بخاریؒ نے دفعۃً تین طلاقیں دینے کا کون سا باب قائم کیا ہے جس میں اختلاف بھی ہے اور حضرت امام بخاریؒ اس کے جواز کے قائل بھی ہیں؟ اور اسی کے قریب محدث ابو محمد عبداللہؒ بن عبدالرحمٰن الدارمیؒ (المتوفی ۲۵۵ھ) نے باب قائم کیا ہے (ملاحظہ ہو الدارمی ص۲۹۳) اور امام بیہقیؒ یہ باب قائم کرتے ہیں۔ باب ماجاء فی امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات (سنن الکبریٰ جلد ۷، ص۳۳۲) اور پھر اس کے نیچے یہ حدیث بھی درج فرمائی ہے پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ اگرچہ دفعۃً تین طلاقیں دینا مستحسن امر نہیں ہے لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو بہت سی دیگر روایات کی طرح اس حدیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

تیسری دلیل

حضرت عائشہؓ سے سوال کیا گیا۔

عن الرجل یتزوج المرأة فیطلقها

کہ کوئی شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور

ثلاثا فقالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تحل للاول حتى يذوق الآخر عسيلتها وتذوق عسيلته	اس کے بعد اس کو تین طلاقیں دے دیتا ہے انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ عورت اس شخص کے لیے حلال نہیں جب تک کہ دوسرا خاوند اس سے لطف اندوز نہ ہو جائے جس طرح کہ پہلا خاوند اس سے لطف اٹھا چکا ہے۔
(مسلم ج ۱ ص ۴۶۳ سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۳۴ واللفظ لہ)	

اِس حدیث میں بھی لفظ ثلاثا بظاہر اسی کا مقتضی ہے کہ تین طلاقیں دفعۃً اور اکھٹی دی گئی ہوں اور دارقطنی ص ۴۳۵ ج ۲ میں یہ روایت اس طرح آئی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا طلق الرجل امرأته ثلاثا لم تحل له الخ	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں الخ

چوتھی ۴ دلیل

حضرت محمودؓ بن لبیدؓ کی وہ روایت ہے جو ص ۲۷ میں گذر چکی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اکھٹی تین طلاقیں دے دیں تو آپ نے ان کو تین ہی قرار دیا یہ الگ بات ہے کہ دفعۃً تین طلاقیں دینے پر ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا، مگر ان کو جاری فرمایا اگر دفعۃً تین طلاقیں دینا حرام قطعی اور غیر معتبر ہوتا تو آپ ان کو جاری نہ فرماتے بلکہ ان کو رد کر دیتے مگر رد کا کوئی لفظ حدیث میں مذکور نہیں ہے اور حافظ ابن القیمؒ کے حوالے سے ان کے اجراء کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔

پانچویں ۵ دلیل

حضرت عویمر العجلانیؓ کی روایت ہے جو ص ۲۵ میں نقل کی جا چکی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کی موجودگی میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور آپ نے سکوت فرمایا اگر دفعۃً تین طلاقیں حرام ہوتیں اور تین کا شرعاً اعتبار نہ ہوتا اور تین طلاقیں ایک طلاق تصور کی جاتی تو اس جزو میں آپ ضرور حکم ارشاد فرماتے

اور کسی طرح خاموشی اختیار نہ فرماتے چنانچہ حضرت امام نووی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

واستدل به اصحابنا على ان جمع الطلقات الثلاث بلفظ واحد ليس حراماً وموضع الدلالة انه لم ينكر عليه اطلاق لفظ الثلاث وقد يعترض على هذا فيقال انما لم ينكر عليه لانه لم يصادف الطلاق محلا مملوكا له ولا نفوذ اويجاب عن هذا الاعتراض بانه لوكان الثلاث محرما لانكر عليه وقال كيف ترسل لفظ الطلاق الثلاث مع انه حرام والله اعلم -

(شرح مسلم جلد ا ص۴۸۹)

اس حدیث سے ہمارے (شوافع) حضرات نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ایک ہی لفظ میں جمع کر کے تین طلاقیں دے دینا حرام نہیں ہے۔ اور وجہ استدلال پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ آپ نے اس لیے انکار نہیں فرمایا کہ (لعان کی وجہ سے) اس کی بیوی طلاق کا محل ہی نہیں اور نہ طلاق نافذ ہونے کی نوبت آئی۔ لیکن اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اگر تین طلاقیں دفعۃً دینا حرام ہوتا تو آپ ضرور اس جزو میں اس پر نکیر فرماتے اور یہ فرما دیتے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہیں تو کیوں تین طلاقیں دے رہا ہے؟

یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دفعۃً تین طلاقوں کے صادر کرنے پر گرفت، اور انکار نہ کرنا ان کے وقوع کی دلیل ہے اور استدلال صرف اسی جزو سے ہے رہا یہ سوال اور اس میں اختلاف کہ نفسِ لعان سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا طلاق دینے سے اور تفریق حاکم سے طلاق کا وقوع ہوتا ہے تو یہ اپنے مقام کی بحث ہے اور یہ استدلال اس پر موقوف نہیں ہے۔

چھٹی دلیل

حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ نے بحالتِ حیض اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی پھر ارادہ کیا کہ باقی دو طلاقیں بھی باقی دو حیض (یا طہر) کے وقت دے دیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت ابن عمرؓ سے فرمایا کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے

اس طرح حکم تو نہیں دیا تو نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے سنت تو یہ ہے کہ جب طہر کا کا زمانہ آئے تو ہر طہر کے وقت اس کو طلاق دے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ تو رجوع کر لے، چنانچہ میں نے رجوع کر لیا پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جب وہ طہر کے زمانہ میں داخل ہو تو اس کو طلاق دے دینا اور مرضی ہوئی تو بیوی بنا کر رکھ لینا۔

فقلت یا رسول اللہ افرأیت لو انی طلقتها ثلاثا کان یحل لی ان اراجعها قال لا کانت تبین منک وتکون معصیة (سنن الکبریٰ جلد ۷ ص ۳۳۴ دارقطنی جلد ۲ ص ۴۳۸ مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۳۳۶ ونصب الرایہ جلد ۳ ص ۲۲۰)

اس پر میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو بتلائیں کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے حلال ہوتا کہ میں اس کی طرف رجوع کر لیتا؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور یہ کاروائی معصیت ہوتی۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دے چکنے کے بعد پھر رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی اس حدیث کے راوی جو سنن الکبریٰ میں ہیں مع توثیق یہ ہیں (۱) امام ابو عبداللہ الحافظ المعروف بالحاکم صاحب المستدرک جو الحافظ الکبیر اور امام المحدثین تھے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۲۲۷)، (۲) ابوبکر احمد بن الحسنؒ اور ابو العباس محمد بن یعقوبؒ علامہ ذہبیؒ ان کو الامام الثقہ اور محدث مشرق لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۳ ص ۴۳) (۳) ابوامیہ طرطوسیؒ، علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ الکبیر لکھتے ہیں امام ابوبکر الخلالؒ فرماتے ہیں کہ وہ فن حدیث کے امام اور بلند شان کے مالک تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۴۴)۔

لہ علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ طبرانیؒ نے اس کو روایت کیا ہے۔ باقی راوی تو سب ثقہ ہیں البتہ علی بن سعید الرازیؒ کو امام دارقطنیؒ نے لیس بذاک فرمایا ہے اور باقی حضرات انکی تعظیم کرتے تھے (مجمع جلد ۴ ص ۳۳۶)؛ حافظ ابن حجرؒ ان کو حافظ رحال لکھتے ہیں ابن یونسؒ فرماتے ہیں کہ وہ صاحب فہم وحفظ تھے اور مسلمہؒ بن القاسمؒ ان کو ثقہ اور عالم بالحدیث کہتے ہیں (لسان جلد ۴ ص ۲۳۱)

(۴) معلیٰؒ بن منصورؒ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ الفقیہ اور احد الاعلام لکھتے ہیں (تذکرہ ص ۲۴۲ ج ۱)

(۵) شعیبؒ بن رزیقؒ۔ امام دارقطنیؒ انکو ثقہ کہتے ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں مگر عطاء خراسانیؒ کے طریق سے ان کی روایت میں کلام کرتے ہیں، محدث دحیمؒ فرماتے ہیں کہ وہ لا بأس بہ تھے (میزان جلد ۱ ص ۴۴۷ و تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۳۵۲) علامہ ابن حزمؒ ان کو ضعیف کہتے ہیں لیکن ابن حزمؒ رواۃ کی جرح و تعدیل میں فاحش غلطیاں کر جاتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن حزمؒ قوتِ حافظہ کے گھمنڈ پر جرح و تعدیل میں فاحش غلطیاں کر جاتے ہیں اور بُری طرح وہم کا شکار ہو جاتے ہیں (مختصر لسان المیزان جلد ۴ ص ۱۹۸) یہی وجہ ہے کہ ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ امام ترمذیؒ مجہول ہیں (میزان جلد ۳ ص ۱۱۷[1]) اگر امام ترمذیؒ مجہول ہیں تو دنیا میں معروف کون ہوگا؟ اور امام ابو القاسم البغویؒ وغیرہ پر بھی وہ جرح کرتے ہیں (ملاحظہ ہو الرفع والتکمیل ص ۱۹) حالانکہ وہ فنِ حدیث کے بلامدافعت امام ہیں، اگر بالفرض اس روایت میں کچھ ضعف بھی ہو تو جمہور ائمہ کے تعامل سے یہ حدیث پھر صحیح ثابت ہوتی ہے، چنانچہ خود علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ۔

واذا ورد حديث مرسل او في احد ناقليه ضعف فوجدنا ذلك الحديث مجمعا على اخذه والقول به علمنا يقينا انه حديث صحيح لاشك فيه الخ (توجيه النظر الى اصول الاثر ص ۵۰ طبع مصر)

اور جب کوئی مرسل روایت آئے یا کوئی ایسی روایت ہو جس کی رواۃ میں سے کسی میں کوئی ضعف ہو لیکن اس حدیث کے لینے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اجماع واقع ہو چکا ہو تو ہم یقیناً یہ جان لیں گے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

اور چونکہ تین طلاقوں کے تین ہونے پر اجماع ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے لہٰذا اگر اس روایت کے کسی راوی میں کچھ ضعف بھی ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں اور ابن حبانؒ

---

[1] امام ترمذیؒ ان ہی سے ایک حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔ جلد ۱ ص ۱۹۰

کا یہ فرمانا کہ ان کی وہ روایت جو عطاء خراسانیؒ کے طریق سے ہو معتبر نہیں قابل التفات نہیں ہے۔ اسی طرح ابو الفتح ازدیؒ نے بھی شعیبؒ بن رزیقؒ کی تضعیف کی ہے، مگر اس کی وجہ سے کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ازدیؒ خود متکلم فیہ ہے (میزان ج۱ ص۴) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ محدث برقانیؒ اور اہل موصل اس کو کسی قابل نہیں سمجھتے تھے (میزان جلد ۲ ص۴۶) اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ازدیؒ خود ضعیف ہے اس سے ثقات کی تضعیف کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ (مقدمہ فتح الباری ص۴۶۵) (۶) عطاء خراسانیؒ ان میں بھی بعض نے کلام کیا ہے مگر جمہور محدثین ان کی توثیق کرتے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ ان کو کبار علماء میں لکھتے ہیں، امام احمدؒ، امام یحییٰؒ اور محدث عجلیؒ وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں امام یعقوبؒ بن شیبہؒ ان کو ثقہ اور معروف کہتے ہیں امام ابو حاتمؒ ان کو ثقہ اور قابل احتجاج کہتے ہیں امام دارقطنیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام ترمذیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں امام مالکؒ اور امام معمرؒ جیسے پختہ کار محدثین نے ان سے روایات کی۔ (میزان ج۲ ص۱۹۹) امام نسائیؒ فرماتے ہیں لیس بہ بأس (تہذیب التہذیب ج۷ ص۲۱۳) علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (ایضاً ص۲۱۵) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عطاءؒ ثقہ تھے۔ امام مالکؒ اور معمرؒ نے ان سے روایت کی ہے اور میں نے متقدمین میں سے کسی سے نہیں سنا کہ وہ ان میں کلام کرتا ہو (بحوالہ اعلام مرفوعہ ص۱) اور وہ ان کی بعض روایات کو حسن غریب کہتے ہیں (مثلاً جلد ۱ ص۱۹۷) اور حافظ ابن حجرؒ نے ان کی ایک روایت کو قوی کہا ہے۔ (القول المسدد ص۴۵) (۷) الحسن البصریؒ علامہ ذہبیؒ ان کو الامام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ حجت مامون، عابد ناسک اور کثیر العلم تھے (تذکرہ ج۱ ص۶۷) (۸) حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ جو جلیل القدر صحابی تھے الغرض اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اور حسن کے درجہ سے کسی طرح یہ روایت فروتر نہیں ہے اور جمہور محدثین حسن حدیث کو قابل احتجاج سمجھتے ہیں (ملاحظہ ہو نیل الاوطار جلد ۱ ص۲۷ وغیرہ) علاوہ ازیں دیگر متعدد صحیح حدیثیں اس کی مؤید ہیں اور حضرات ائمہ اربعہؒ اور جمہور اسلام کا اس پر اعتماد اور عمل اس پر مستزاد ہے۔

ساتویں دلیل

حضرت نافع بن عجیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رکانہؓ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہؓ کو بتہ (تعلق قطع کرنے والی) طلاق دی تو اس کے بعد انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دی اور کہا۔

واللہ ما اردت الا واحدۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ ما اردت الا واحدۃ؟ فقال رکانۃؓ واللہ ما اردت الا واحدۃ فردھا الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطلقہا الثانیۃ فی زمان عمرؓ والثالثۃ فی زمان عثمانؓ (ابوداؤد جلد ۱ ص۳۰۰ و المستدرک جلد ۲ ص۱۹۹ والدارقطنی جلد ۲ ص۴۹ وموارد الظمآن ص۳۲۱)	بخدا میں نے صرف ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی قسم تو نے صرف ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا ہے؟ رکانہؓ نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے صرف ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ بی بی اسے واپس دلوادی دوسری طلاق رکانہؓ نے اس کو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اور تیسری طلاق حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں دی۔

لفظ بتہ کے مصداق میں ائمہ کرامؒ کا اختلاف ہے امام سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ (اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ) فرماتے ہیں کہ اس سے ایک یا تین طلاقیں مراد لی جاسکتی ہیں دو کا ارادہ درست نہیں ہے کیونکہ وہ عدد محض ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دو کا ارادہ بھی درست ہے (ملاحظہ ہو ترمذی جلد ۱ ص۱۴۰) اور امام مالکؒ کے نزدیک اس لفظ سے مدخول بہا کے حق میں تین ہی متعین ہیں۔ (موطا امام مالک ص۲۰۰ و ترمذی ج۱ ص۱۴۰) اگر لفظ بتہ سے وقعۃً تین طلاقیں پڑنے کا جواز ثابت نہ ہوتا تو جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت رکانہؓ کو کیوں قسم دیتے؟ چونکہ کنایہ کی طلاق میں نیت کا دخل بھی ہوتا ہے اور لفظ بتہ تین کا احتمال بھی رکھتا ہے اس لیے آپ نے ان کو قسم دی اگر تین کے بعد رجوع کا حق ہوتا اور تین ایک سمجھی جاتی تو آپ ان کو قسم نہ دیتے اور اس روایت

سے یہ بھی ثابت ہے کہ دوسری طلاق انہوں نے حضرت عمرؓ کے دور میں اور تیسری حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں دی یعنی الغرض یہ روایت ایک کلمہ اور ایک مجلس میں تین کے وقوع پر دال ہے۔

مستدرک میں اس روایت کے راوی یہ ہیں (۱) ابوالعباس محمدؒ بن یعقوبؒ ان کا ترجمہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے (۲) ربیعؒ بن سلیمانؒ، امام نسائیؒ ان کو لا باس بہ کہتے ہیں۔ محدث ابن یونسؒ اور خطیبؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے ابن ابی حاتمؒ فرماتے ہیں کہ وہ صدوق اور ثقہ تھے، ابوحاتمؒ فرماتے ہیں کہ وہ صدوق تھے محدث خلیلیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے مسلمہؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۳ ص ۲۴۶) (۳) امام شافعیؒ، جلیل القدر امام ہیں ان کی ثقاہت کے بارے میں سوال ہی نہیں ہو سکتا (۴) محمدؒ بن علیؒ بن شافعؒ۔ امام شافعیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تقریب ص ۲۳۲ و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۵۳ وزاد المعاد جلد ۲ ص ۱۴۹) اور ان پر کسی کی کوئی جرح نظر سے نہیں گذری (۵) نافعؓ بن عجیرؓ۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات ان کو صحابہؓ میں شمار کرتے ہیں اور محدث ابن حبانؒ وغیرہ ان کو تابعین میں شمار کرتے ہیں (تقریب ص ۳۷۱)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ۔

امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور نیز انہوں نے ان کو صحابہؓ میں بھی شمار کیا ہے اور امام ابوالقاسم بغویؒ محدث ابونعیمؒ اور حافظ ابوموسیٰؒ وغیرہ ان کو صحابی بتلاتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۴۰۸) جب یہ ثقہ بلکہ صحابی ہیں تو حافظ ابن القیمؒ کا ان کے بارے میں یہ لکھنا کہ۔

نافع بن عجير المجهول الذي لا يعرف حاله البتة ولا يدرى من هو ولا ما هو (زاد المعاد جلد ۴ ص ۵۹)	نافع بن عجیر مجہول ہیں ان کا حال بالکل معلوم نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کون اور کیسے تھے

بالکل مردود اور نرا بے سود ہے۔ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ پہلے زبیرؒ بن سعدؒ سے اسی مضمون کی روایت نقل کرتے ہیں (جس کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ بھی متابع میں آرہا ہے) اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس روایت سے صحیحین میں صرف نظر کی گئی ہے لیکن فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا متابع موجود ہے جس سے یہ حدیث صحیح ہو جاتی ہے 'لکن له متابعاً یصح به الحدیث' اور آگے نافعؒ بن عجیرؓ کی مذکور روایت پیش کی ہے (ملاحظہ ہو المستدرک جلد ۲ ص ۱۹۹ و تلخیص المستدرک جلد ۲ ص ۱۹۹ واللفظ لہ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ روایت امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں کے نزدیک صحیح ہے اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤدؒ ابن حبانؒ اور حاکمؒ اس کی تصحیح کرتے ہیں (تلخیص الحبیر ص ۳۱۹) اور امام دارقطنیؒ اس روایت کو امام ابوداؤدؒ کے حوالہ سے نقل کر کے آگے فرماتے ہیں۔

وقال ابوداؤد وهذا حديث صحيح	امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(دارقطنی جلد ۲ ص ۴۳۹)

ہمارے پاس ابوداؤد کا جو نسخہ ہے اس میں لفظ صحیح نہیں بلکہ اصح کا لفظ ہے حوالہ عنقریب آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ ممکن ہے امام دارقطنیؒ کے پیش نظر ابوداؤد کا جو نسخہ تھا اس میں یہ الفاظ موجود ہوں، بہر حال اصول حدیث کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح اور قابل احتجاج ہے۔ البتہ خوئے بد را بہانہ ہائے بسیار کا کوئی علاج نہیں ہے۔

متابع امام حاکمؒ وغیرہ اپنی سند کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں کہ زبیرؒ بن سعیدؒ عبداللہؒ بن علیؒ بن یزیدؒ بن رکانہؓ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں اپنی بیوی کو بتہ (تعلق قطع کرنے والی) طلاق دے دی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا۔

فقال ما اردت بذالك قال اردت	تو آپ نے فرمایا کہ تو نے اس سے کیا ارادہ کیا ہے؟
به واحدة قال الله؟ قال الله قال	انہوں نے کہا کہ میں نے ایک طلاق کا ارادہ کیا ہے
فهو ما اردت۔ (مستدرك ص ۱۹۹ ج ۲)	آپ نے فرمایا کہ بخدا تو نے ایک طلاق کا ارادہ کیا ہے؟

ترمذی ص۱۴۲ ج۱ ابوداود ص۳۰۰ ج۱ ابن ماجہ ص۱۴۹ ودارقطنی ص۴۳۹ ج۲)

انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ جو تو نے ارادہ کیا ہے بات ویسی ہی ہے۔

اس روایت کی سند میں زبیرؒ بن سعیدؒ کو اکثر محدثین ضعیف قرار دیتے ہیں لیکن امام یحییٰؒ بن معینؒ ایک روایت میں اُن کو ثقہ کہتے ہیں، امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں یعتبر بہ امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ وہ شیخ تھے (لفظ شیخ توثیق کے الفاظ میں سے ہے گو زم قسم کی سہی۔ شرح نخبۃ الفکر ص۱۰۹) اور امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد۳ ص۳۱۵) اور عبداللہؒ بن علیؒ کو بعض نے مستور کہا ہے۔ اور امام عقیلیؒ فرماتے ہیں حدیثہ مضطرب ولا یتابع لیکن امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد۵ ص۳۲۵) الغرض یہ مختلف فیہ راوی ہے جیسا کہ زبیرؒ بن سعیدؒ اور ان کو متابعت میں پیش کیا جاسکتا ہے، چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی لکھتے ہیں کہ مستور کی روایت کو متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی حرج نہیں ہے (خیر الکلام ص۲۲۵) اور دوسرے مقام پر چند آثار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ ان کے بعض راوی اگرچہ ضعیف ہیں مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی حرج نہیں ہے (خیر الکلام ص۳۱۶) الغرض یہ روایت بھی اصولِ حدیث کے رُو سے حسن سے کم نہیں اور پھر اس کا متابع بھی موجود ہے جو متابعت میں پیش کیا جاسکتا ہے اور جمہور کے عمل کی تائید اس کو مزید حاصل ہے جس کی حجیت میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

آٹھویں دلیل

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ میں نے بحالت حیض اپنی بیوی کو بتہ (تعلق قطع کرنے والی اور یہاں مراد تین طلاقیں ہیں) طلاق دے دی ہے، انہوں نے فرمایا کہ تو نے اپنے پروردگار کی نافرمانی

کی اور تیری بیوی تجھ سے بالکل الگ ہوگئی، اُس شخص نے کہا کہ عبداللہؓ بن عمرؓ کے ساتھ بھی تو ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے تو اُن کو رجوع کا حق دیا تھا۔

فقال له عمر رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلّم امره ان یراجع امرأته لطلاق بقی له وانه لم یبق لك ماترجع به امرأتك (سنن الکبریٰ ص۳۳۴ ج۷ ومجمع الزوائد ص۳۳۵ ج۴ وقال رجاله رجال الصحیح خلا اسمعیل بن ابراهیم المترجانی وهو ثقة)

(اس پر حضرت عمرؓ نے اسے فرمایا کہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے عبداللہؓ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کرے مگر اس لیے کہ اس کی طلاق باقی تھی اور تیرے لیے تو اپنی بیوی کی طرف رجوع کا حق نہیں (کیوں کہ تیری طلاق باقی نہیں۔)

چونکہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی تھی اس لیے ان کے رجوع کا حق تو محفوظ تھا مگر اس شخص نے اپنے حق رجوع کا ترکش بالکل خالی کر دیا تھا جس سے یہ صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں، اس لیے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ تم رجوع نہیں کر سکتے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ اس حکم کو آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے حکم سے ماخوذ سمجھتے تھے جیسا کہ الفاظ حدیث سے ظاہر ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تین طلاقوں کے بعد رجوع کا حق حضرت عمرؓ کے علم میں بھی نہ تھا ورنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے اس ضرورت کے موقع پر وہ ضرور اس کا تذکرہ فرماتے اور بطور حجت کے اس کو بیان فرماتے۔

نویں دلیل

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے جب اسی قسم کے مسئلہ کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ

قال لاحدهم اما انت ان طلقت امرأتك مرة او مرتین فان رسول

ان سے فرماتے کہ اگر تم نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو بیشک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

الله صلی الله علیه وسلم امرنی بھذا و ان کنت طلقتها ثلاثا فقد حرمت علیك حتی تنکح زوجا غیرك وعصیت الله فیما امرك من طلاق امرأتك (مسلم صہ۴۷۶ ج ۱ واللفظ لہ بخاری صہ۸۰۳ ج۲ وسنن الکبریٰ جلد ۷ صہ۳۳۱ والدار قطنی جلد ۲ صہ۴۳۶)	علیہ وسلم نے (اس صورت میں) مجھے رجوع کا حکم دیا تھا اور اگر تم نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو یقیناً وہ تم پر حرام ہو گئی ہے جب تک کہ وہ تیرے بغیر کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے اور اس طرح تو نے اپنی بیوی کو طلاق دینے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی بھی کی ہے۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ تین طلاقوں کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک اور دو طلاق کے بعد رجوع کرنے کا حکم تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے لیکن تین طلاقوں کے بعد رجوع کرنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ورنہ حضرت ابن عمرؓ اس کا حوالہ دیتے اور اس کے خلاف فتویٰ دینے کی ہرگز جرأت نہ کرتے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس شخص نے دفعۃً تین طلاقیں دے دی تھیں اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ یہ نہ فرماتے کہ تو نے طلاق کے سلسلہ میں اپنے رب کی نافرمانی کی ہے کیونکہ ہر ہر طہر پر ایک ایک طلاق دینے سے تعمیل حکم ہوتی ہے نہ کہ نافرمانی جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ بات پہلے قدرے تفصیل کے ساتھ گذر چکی ہے کہ اکثر علماءِ اسلام کے نزدیک دفعۃً تین طلاقیں دینا پسندیدہ امر نہیں ہے بلکہ بعض اس کو حرام بعض بدعت اور بعض اس کو مکروہ کہتے ہیں اور ان کے نزدیک نافرمانی اسی صورت میں ہو سکتی ہے ہاں ان تینوں کے وقوع پر جمہور کا اتفاق ہے

دسویں دلیل

حضرت زیدؓ بن وہبؒ سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک مسخرہ مزاج آدمی تھا اس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دے دی جب اس کا یہ معاملہ حضرت عمرؓ کے ہاں پیش کیا گیا اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے تو محض دل لگی اور خوش طبعی کے طور پر یہ طلاقیں دی ہیں یعنی میرا قصد اور ارادہ نہ تھا۔

فعلاہ عمر رضی اللہ عنہ بالدرۃ	تو حضرت عمرؓ نے درّہ سے اس کی مرمت
وقال ان کان لیکفیک ثلاث	کی اور فرمایا کہ تجھے تو تین طلاقیں ہی کافی تھیں۔

(سنن الکبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۳۴)

اِس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ بھی ایک کلمہ اور ایک مجلس میں دی گئی طلاقوں کا اعتبار کرتے تھے اگر ہزار طلاق کا شرعاً دستور ہوتا تو ہزار ہی کو وہ نافذ فرما دیتے، مگر چونکہ تین طلاقوں سے زائد کا شریعت میں ثبوت نہیں اس لیے ایک ہزار میں سے تین کے وقوع کا تو انہوں نے حکم صادر فرمایا اور باقی کو لغو قرار دے دیا اور دفعۃً سب طلاقوں کے غیر پسندیدہ ہونے نیز اس شخص کی بے جا دل لگی پر درّہ سے اس کی خوب مرمت بھی کی تاکہ آئندہ کے لیے وہ ایسی نازیبا حرکت کا ارتکاب نہ کرے اور اس کو دیکھ کر دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو اور طحاوی جلد ۲ صفحہ ۳۰ میں بھی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوتیں تو وہ اس کو سزا دیتے تھے۔ اور یہ محض تنبیہ کے لیے ہوتا تھا ورنہ تین طلاقوں کے واقع ہونے کا حکم تو انہوں نے حدیث کی روشنی میں صادر ہی کر دیا تھا۔

گیارہویں دلیل

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ:

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	حضرت عمرؓ نے اس شخص کے بارے میں جس نے
فی الرجل یطلق امرأتہ ثلاثا قبل	اپنی بیوی کو ہمبستری سے پہلے تین طلاقیں دے
ان یدخل بھا قال ھی ثلاث	دیں، فرمایا کہ تین ہی طلاقیں متصور ہوں گی اور
لا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ	وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ
وکان اذا اتی بہ اوجعہ۔	وہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کرے اور حضرت عمرؓ کے پاس
(سنن الکبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۳۴)	جب ایسا شخص لایا جاتا تو آپ اس کو سزا دیا کرتے تھے۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ جس عورت کے ساتھ خاوند نے ہمبستری نہیں کی ہوتی

تھی، جب کہ وہ اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو حضرت عمرؓ ان کو تین ہی قرار دیتے اور یہ فیصلہ فرماتے تھے کہ وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ کوئی اور مرد اس کے ساتھ نکاح نہ کرلے اور دفعۃً تین طلاقیں دینے پر وہ سزا بھی دیتے تھے جیسا کہ آخری جملہ سے واضح اور ظاہر ہے کیونکہ یہ مستحسن امر نہیں۔

نوٹ:۔ غیر مدخول بہا کے حق میں یہ تین طلاقیں اس صورت میں ہوتی تھیں جب قائل مثلاً یوں کہتا انت طالق ثلاثا بخلاف اس کے جب وہ یہ کہتا کہ انت طالق، انت طالق، انت طالق تو اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوجاتی تھی اور دوسری اور تیسری طلاق کا وہ محل نہیں رہتی تھی اس لیے ایسے موقع پر تین میں سے صرف ایک ہی طلاق واقع ہوتی تھی اس کی بحث انشاء اللہ العزیز آگے اپنے مقام پر آرہی ہے۔

بارہویں[۱۲] دلیل

حضرت عبدالرحمٰنؒ بن ابیؒ لیلیٰؒ روایت کرتے ہیں

عن علی رضی اللہ عنہ فیمن طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها قال لا تحل له حتی تنکح زوجا غیره۔ (سنن الکبرٰی جلد، ص۳۳۴)	حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو ہمبستری سے پہلے تین طلاقیں دے دے تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے۔

یہ بھی اسی صورت میں ہے کہ ایک کلمہ سے اکٹھی تین طلاقیں دی گئی ہوں اور اگر متفرق طور پر تین طلاقیں دی گئی ہوں تو پہلی طلاق تو واقع ہوجائیگی اور دوسری اور تیسری طلاق لغو چلی جائے گی کیونکہ جس عورت سے خاوند نے ہمبستری نہ کی ہو وہ پہلی طلاق ہی سے بائن ہوجاتی ہے۔ دوسری اور تیسری طلاق کا محل نہیں رہتی ایک اور روایت میں یوں آتا ہے کہ۔

جاء رجل الی علی رضی اللہ عنہ فقال طلقت امرأتی الفا قال ثلاث تحرمها علیك واقسم سائرهابین	ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دیدی ہے، انہوں نے فرمایا کہ تین طلاقیں تو اس کو تجھ

<table>
<tr><td>نسائی ثالث (سنن الکبریٰ جلد ۷، ص۳۳۵)</td><td>پر حرام کر دیتی ہیں اور باقی ماندہ طلاقیں اپنی دوسری بیویوں میں تقسیم کر دے۔</td></tr>
</table>

معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ بھی ایک کلمہ اور ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے تھے اسی لیے تو انہوں نے فرمایا کہ تین طلاقیں تو تیری بیوی پر واقع ہو چکی ہیں اور ہزار میں سے باقی نو سو ستانوے اپنی باقی ماندہ بیویوں پر بانٹ دے مطلب یہ کہ آپ نے انتہائی خفگی اور ناراضگی کا اظہار فرمایا اگر حضرت علیؓ تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے جیسا کہ بعض غیر ثابت روایات میں آتا ہے تو اس روایت میں تین کو تین قرار دینے کا کوئی مطلب نہ ہوتا۔ اور حضرت علیؓ (یا ان کے فرزند حضرت حسنؓ) سے اس سلسلہ میں مرفوع روایت بھی آتی ہے چنانچہ امام دارقطنیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت سویدؒ بن غفلہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ شہید ہو گئے اور حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کر کے ان کو امیر المومنین انتخاب کر لیا تو تو حضرت حسنؓ کی بیوی عائشہ خثعمیہؓ نے اپنے خاوند سے کہا کہ اے امیر المومنین آپ کو خلافت کی مبارک ہو۔ اس پر حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ کیا یہ مبارک باد حضرت علیؓ کی شہادت پر ہے؟ تو اس پر خوشی کا اظہار کر رہی ہے؟ جا تجھے تین طلاقیں ہیں، اس نے اپنی عدت کے کپڑے اوڑھ لیے اور وہیں عدت گذار دی جب عدت ختم ہوئی تو حضرت حسنؓ نے اس کو اس کا باقی مہر بھی (جو ابھی تک ادا نہیں کیا تھا) دے دیا اور دس ہزار روپے مزید دیئے جب اس کو یہ رقم ملی تو وہ کہنے لگی کہ طلاق دینے والے حبیب سے یہ مال کم ملا ہے اس پر حضرت حسنؓ رو دیئے اور یہ فرمایا کہ۔

<table>
<tr><td>لولا انی سمعت جدی او حدثنی ابی انه سمع جدی یقول ایما رجل طلق امرأته ثلاثا مبهمة او ثلاثا عند الاقراء لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره لراجعتها۔
(دارقطنی جلد ۲ ص۴۳۸ و سنن الکبریٰ جلد ۷ ص۳۳۶)</td><td>اگر میں نے اپنے نانا جان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا یا یہ فرمایا کہ مجھے میرے والد حضرت علیؓ نے میرے نانا جان کی یہ حدیث اگر نہ سنائی ہوتی کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو ایک دفعہ تین طلاقیں دیدے یا تین طہروں میں تین طلاقیں دیدے تو وہ اس کیلئے حلال نہیں ہوتی تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے تو میں ضرور اس کی طرف رجوع کر لیتا۔</td></tr>
</table>

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں دے چکنے کے بعد رجوع کرنا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ متفرق طور پر تین اطہار میں تین طلاقیں دینے کے بعد حرام ہے اگر دفعۃً تین طلاقیں دینے کے بعد بھی رجوع کی کوئی امکانی صورت باقی ہوتی تو حضرت حسنؓ ضرور مراجعت فرما لیتے۔

اس حدیث پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ بقول مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی غیر مقلد یہ ہے کہ اس کی سند میں عمرو بن ابی قیس الرازی الازرق ہے صدوق لہ اوھام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں لا باس بہ ہے اور اس کی حدیث میں خطا ہوتی ہے اور دوسرا راوی اس میں سلمہؒ بن فضلؒ ہے جس کو ابن راہویہؒ نے ضعیف کہا ہے اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث میں بعض مناکیر ہیں اور ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ شیعہ تھا اور میں نے اس سے روایتیں لکھی ہیں اور وہ لیس بہ باس ہے اور ابوحاتمؒ فرماتے ہیں کہ لا یحتج بہ اور ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ ری کے باشندے اس کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے کیونکہ اس کی رائے ٹھیک نہ تھی اور اس میں ظلم بھی تھا (تعلیق المغنی جلد ۲ صفحہ ۴۳۷)۔

الجواب: یہ اعتراض اصول حدیث کے پیش نظر کوئی وزن نہیں رکھتا اور یہ حدیث حسن سے کسی طرح کم نہیں ہے کیونکہ عمروؒ بن ابی قیسؒ سے امام بخاریؒ تعالیق میں روایت کرتے ہیں اور امام ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے ان سے احتجاج کیا ہے عبد الصمدؒ بن عبد العزیز المقریؒ فرماتے ہیں کہ ری کے کئی حضرات امام سفیان ثوریؒ کے پاس گئے اور ان سے حدیث کی سماعت کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس عمروؒ بن ابی قیسؒ نہیں ہیں؟ امام ابوداؤدؒ نے فرمایا کہ ان کی حدیث میں خطا ہوتی ہے اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ وہ لا باس بہ تھے، ابن حبانؒ اور ابن شاہینؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں عثمان بن ابی شیبہ نے فرمایا کہ وہ لا باس بہ ہیں ہاں ان سے حدیث میں تھوڑا سا وہم بھی ہو جاتا ہے امام ابوبکر البزارؒ فرماتے ہیں کہ وہ مستقیم الحدیث ہیں (محصلہ تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۹۴)

سلمہؒ بن الفضلؒ پر بھی بعض محدثین نے کلام کیا ہے لیکن امام ابن معینؒ ایک روایت میں ان کو ثقہ اور ایک میں لیس بہ باس کہتے ہیں علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں۔

محدث ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث میں غرائب و افراد تو ہیں لیکن میں نے ان کی کوئی حدیث ایسی نہیں دیکھی جو انکار کی حد تک پہنچی ہو ان کی حدیثیں متقارب اور قابل برداشت ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یخطیٔ و یخالف امام ابوداؤدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام احمدؒ نے فرمایا کہ لا اعلم الاخیرا کہ مجھے ان کے بارے میں خیر ہی معلوم ہے (محصلہ تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۵۳ و ص ۱۵۴) امام اسحاقؒ بن راہویہؒ نے ان کو ضعیف کہا اور ابو احمد الحاکمؒ فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک وہ لیس بالقوی تھے، نسائیؒ نے بھی ان کو ضعیف کہا اور ابو حاتمؒ نے فرمایا محلہ الصدق فی حدیثہ انکار یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ لیکن لیس بالقوی جرح مبہم ہے یہ مضر نہیں (ابکار المنن ص ۴۷) اسی طرح ضعیف کا لفظ بھی مجمل ہے اور امام ابو حاتمؒ اور امام نسائیؒ دونوں متشدد بھی ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۴ و خیر الکلام ص ۵۵)

تیرھویں دلیل

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں اب اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تیرے چچا نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور اب اس کی کوئی صورت نہیں بن سکتی وہ شخص بولا کہ کیا حلالہ کی صورت میں بھی جواز کی شکل نہیں پیدا ہو سکتی؟ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے دھوکہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ دیگا (سنن الکبریٰ جلد ۷ ص ۳۳۷ و طحاوی جلد ۲ ص ۲۹) اور ان سے ایک روایت یوں آتی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سوال کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے اس پر سکوت اختیار کیا ہم نے یہ خیال کیا کہ شاید وہ اس عورت کو واپس لے دلانا چاہتے ہیں مگر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم خود حماقت کا ارتکاب کرتے ہو اور پھر کہتے ہو اے ابن عباسؓ اے ابن عباسؓ! بات یہ ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے نہ ڈرے تو اس کے لیے کوئی راہ نہیں نکل سکتی جب تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے تو اب تمہارے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں تمہاری بیوی

اب تم سے بالکل علیحدہ ہو چکی ہے (سنن الکبریٰ جلد ۷ ص ۳۳۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اسنادہ صحیح (تعلیق المغنی ص ۴۳۰) اور ان سے ایک روایت یوں آتی ہے کہ ایک شخص نے اپنی کو سو طلاق دے دی حضرت ابن عباسؓ نے یہ فتویٰ دیا کہ تین طلاقیں تو واقع ہو چکی ہیں باقی ستانوے کے ساتھ تم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ مسخرہ کیا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ۔ موطا امام مالک ص ۱۹۹۔ دار قطنی جلد ۲ ص ۴۳۰ وطحاوی جلد ۲ ص ۳۰ وسنن الکبریٰ جلد ۷ ص ۳۳۲)

اور ان سے ایک روایت اس طرح آتی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دے دی تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تین طلاقیں تو واقع ہو چکی ہیں باقی نو سو ستانوے تیرے لیے وبال جان ثابت ہوں گی (محصلہ سنن الکبریٰ جلد ۷ ص ۳۳۳)

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ تین طلاقیں ہی واقع ہو چکی ہیں اور اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے (سنن الکبریٰ جلد ۷ ص ۳۳۵)

چودھویں دلیل

حضرت معاویہؓ بن ابی عیاش انصاریؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ اور عاصمؒ بن عمرؓ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اتنے میں حضرت محمدؒ بن ایاسؒ بن بکیرؒ تشریف لائے اور پوچھنے لگے کہ ایک دیہاتی گنوار نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی (جس سے ابھی تک ہمبستری نہیں کی گئی) کو تین طلاقیں دے دی ہیں اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے فرمایا جا کر عبداللہؓ بن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ سے پوچھو میں ابھی ان کو حضرت عائشہؓ کے پاس چھوڑ کے آیا ہوں مگر جب ان سے سوال کر چکو تو واپسی پر ہمیں بھی مسئلہ سے آگاہ کرنا جب سائل ان کے پاس حاضر ہوا اور دریافت کیا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ فتویٰ دیجیے لیکن سوچ سمجھ کر بتانا کیوں کہ مسئلہ پیچیدہ ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ایک طلاق اس سے علیحدگی کے لیے کافی تھی اور تین طلاقوں سے وہ اس پر حرام ہو گئی ہے الآیۃ

کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح کرے حتّٰی تنکح زوجا غیرہ اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی یہی فتویٰ دیا (مؤطا امام مالک ص۲۰۸ طحاوی جلد ۲ ص۲۹ وسنن الکبریٰ جلد ۷ ص۳۳۵)

پندرھویں ۱۵ دلیل

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن مسعودؓ سے سوال کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو دو سو۲۰۰ طلاق دے دی ہے۔ اب کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تجھے کیا فتویٰ دیا گیا ہے؟ اس نے کہا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ عورت اب مجھ سے بالکل الگ اور جدا ہو گئی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ لوگوں نے سچ کہا ہے (مؤطا امام مالک ص۱۹۹) اور طحاوی جلد ۲ ص۳۰ میں غیر مدخول بہا کے لفظ بھی ہیں۔

سولھویں ۱۶ دلیل

حضرت عمرانؓ بن حصینؓ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے یہ سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دی ہیں اب وہ کیا کرے؟ حضرت عمرانؓ نے فرمایا کہ اُس نے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی ہے۔ سائل وہاں سے چل کر حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کے پاس پہنچا اور اس خیال سے اُس نے اُن سے بھی سوال کیا کہ وہ شاید اس کے خلاف فتویٰ صادر فرمائیں گے مگر حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت عمرانؓ بن حصینؓ کی تائید کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہم میں ابو نُجید جیسے آدمی مزید پیدا کرے (سنن الکبریٰ جلد ۷ ص۳۳۲ ومستدرک جلد ۲ ص۴۷۲ ابو نجید حضرت عمرانؓ بن حصینؓ کی کنیت تھی (اکمال ص۶۰۷)۔

سترھویں ۱۷ دلیل

ایک شخص حضرت عبد اللہؓ بن عمروؓ بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سوال کیا کہ ایک شخص نے ہمبستری سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں وہ کیا کرے؟ اس پر حضرت عطاءؒ بن یسارؒ نے فرمایا کہ کنواری کی طلاق تو ایک ہی ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمروؓ نے اُن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تو قصہ گو ہے، ایک طلاق ایسی عورت کو جدا کر

دیتی ہے اور تین اس کو حرام کر دیتی ہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے (مسند امام شافعیؒ ص۲۶ و طحاوی جلد۲ ص۳۰)

اٹھارہویں دلیل۔

ایک شخص نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر اس کا خیال ہوا کہ وہ اس سے نکاح کرلے اس نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے فتوٰی طلب کیا، ان دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ تم اس سے نکاح نہیں کر سکتے تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے اس شخص نے کہا کہ اس کیلیے میری طرف سے تو ایک ہی طلاق ہے (یعنی تین سے مراد ایک ہے) تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے اپنا وہ اختیار کھو دیا ہے جو تمہارے ہاتھ اور بس میں تھا (مسند امام شافعیؒ ص۳۶)

انیسویں دلیل

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں اب کیا صورت ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ تو نے اپنے ربّ کی نافرمانی کی ہے اور تجھ پر تمہاری بیوی حرام ہو گئی حتٰی کہ وہ تمہارے بغیر کسی اور مرد سے نکاح کرے۔ (جامع المسانید جلد۲ ص۱۴۸) حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود وغیرہ سے اور بھی متعدد صحیح روایات اس سلسلہ میں موجود ہیں، مگر ہمارا مقصد دلائل اور براہین کا استیعاب نہیں بلکہ اپنے دعوٰی کو مدلل اور مبرہن کرنا ہے جو بحمد اللہ تعالٰی بخوبی آشکارا ہو چکا ہے، حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ۔

فقد صح بلاشك عن ابن مسعودؓ وعليؓ و ابن عباسؓ الالزام بالثلاث لمن اوقعها جملة وصح عن ابن عباسؓ انه جعلها واحدة ولم نقف على نقل صحيح عن غيرهم من الصحابةؓ بذلك اھ	بلاشبہ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ سے یہ ثابت ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہوں تو یہ حضرات اس کے حق میں تین ہی کو نافذ کر دیتے تھے اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے تین طلاقوں کو (غیر مدخول بہا کے حق میں، مصنف) ایک قرار دیا اور ان کے علاوہ دیگر حضرات

(اغاثہ جلد۱ ص۳۲۹ و ص۳۳۰) صحابہ کرامؓ سے ہم کسی نقل صحیح پر آگاہ نہیں ہو سکے۔

اِس سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ حضرت عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی سمجھتے تھے اور بقول حافظ ابن القیمؒ ان سے اس قول کے ثبوت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے تین کو ایک بھی قرار دیا ہے لیکن یہ قول مطلق نہیں ہے بلکہ صرف غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے جس کی بحث انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب آرہی ہے اور بقول حافظ ابن القیمؒ ان کے علاوہ کسی اور صحابیؓ سے اس بارے میں کچھ بھی منقول اور ثابت نہیں ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دینے میں کسی صحابی سے صحیح طور پر کچھ ثابت نہیں ہے بخلاف تین طلاقوں کو تین قرار دینے کا ثبوت تو متعدد حضرات صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے کما مرّ۔

بیسویں[۲] دلیل

حضرت مسلمہؒ بن جعفر الاحمسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام جعفرؒ بن محمدؒ سے سوال کیا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے جہالت میں مبتلا ہو کر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اُن کو سُنّت کی طرف لوٹایا جائے گا اور اس صورت میں صرف ایک ہی طلاق واقع ہو گی۔

یروونہا عنکم قال معاذ اللہ ماھذا	اور لوگ اس کو آپ حضرات کے حوالہ سے بیان
قولنا من طلق ثلاثا فہو کما قال	کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ معاذ اللہ تعالیٰ ہمارا
(سنن الکبریٰ جلد۷ ص۳۴۰)	یہ قول نہیں ہے جس شخص نے تین طلاقیں دے دیں تو وہ تین ہی ہونگی

اِس سے ثابت ہوا کہ اہل بیت کی طرف تین طلاقوں کے ایک ہونے کی جو نسبت کی جاتی ہے وہ قطعاً غلط اور یقیناً بے بنیاد ہے اور حضرات اہل بیتؓ بھی دیگر حضرات کے ہمنوا ہیں اور تین طلاقوں کو تین ہی سمجھتے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ قرآن کریم، صحیح احادیث آثار حضرات صحابہ کرامؓ

---

[۲] لہٰذا بن المنیر فی شرح المجموع الفقہی الکبیر جلد۳ ص۱۲۷ میں ہے کہ اہل بیت کا یہی مذہب لکھا ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں

اور اقوال تابعینؒ اور اہلِ بیتؓ سے باحوالہ یہ بات ثابت کر دی ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہو
ہیں اگرچہ دلائل اور حوالے ابھی اور بھی بہت کچھ باقی ہیں مگر بخوف طوالت انہیں زیب قرطاس
نہیں کیا گیا اور تمام دلائل کا احصار و احاطہ مقصود بھی نہیں اور یہ ہمارے بس کا روگ بھی نہیں
ہے، اس لیے عقلمند اور منصف مزاج حضرات کے لئے یہ بیس[۲] دلائل کافی ہیں اور کیوں نہ ہوں
وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ الآیۃ

ہاں نہ ماننے والوں کے لیے اس دنیا میں کبھی کوئی دلیل باعثِ طمانیت نہیں ہوئی
نہ ان کے لیے ان کے زعم میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پاک زبانوں سے بھی
قطعی دلائل کافی ہو سکتے ہیں، یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرات ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک آزاد
مرد کے لیے طلاق کی آخری حد تین اور غلام کے لیے دو مقرر کی گئی ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق
سے آزاد عورت کے لیے تین طلاقیں اور لونڈی کے لیے دو طلاقیں مقرر ہیں اس مسئلہ کی
تحقیق اور وضاحت اور صراحت اور ادلہ کے بیان کا یہ موقع نہیں لیکن حضرت امام شافعیؒ
اپنی سند کے ساتھ حضرت سلیمانؒ بن یسارؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہؓ کے ایک مکاتب
غلام نے اپنی آزاد بیوی کو دو طلاقیں (فی روایۃ فطلقتہا اثنتین وفی روایۃ تطلیقتین)
دے دیں۔ اس کے بعد اس نے اس کی طرف مراجعت کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں اس نے
(حضرت ام سلمہؓ کے ارشاد پر) حضرت عثمانؓ بن عفان اور حضرت زیدؓ بن ثابت سے سوال کیا۔ ان
دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ۔

فقالا حرمت علیک — وہ تجھ پر حرام ہو چکی ہے وہ تم پر حرام ہو چکی ہے۔

(مسند امام شافعیؒ ص۹۹ طبع مصر)

اس روایت سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس مکاتب نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں
اکٹھی اور دفعۃً دے دی تھیں اور حضرت عثمانؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت نے ان کو دو ہی قرار دیا
اور اس کی عورت کو اس پر حرام قرار دے دیا یہ بات اس کا واضح اور جدا قرینہ ہے کہ جب غلام کی
دفعۃً دی گئی دو طلاقوں کو دو شمار کیا گیا ہے تو آزاد کی تین طلاقوں کو بھی تین ہی قرار دیا جائیگا

جیسے یہاں دو کو ایک نہیں تصور کیا گیا اسی طرح وہاں بھی تین کو ایک نہیں سمجھا جائیگا۔ الا یہ کہ کسی کا نظریہ ہی التثلیث فی التوحید الخ ہو۔

الغرض اندرونی اور بیرونی دلائل و براہین اور قرائن و شواہد اس امر کو متعین کر دیتے ہیں کہ آزاد مرد طلاق دے یا غلام تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں یا دو ان کا شرعاً اعتبار کیا جائیگا اور دو کو دو اور تین کو تین ہی سمجھا جائے گا۔ تقریباً سو فیصدی حضرات صحابہ کرامؓ اکثر تابعینؒ، ائمہ اربعہؒ اور جمہور سلف و خلف اسی کے قائل ہیں اور ظاہر قرآن کریم اور صحیح و صریح احادیث بھی یہی کچھ بتاتی ہیں اور یہی حق اور صواب ہے لا محیص عنہ۔

حکم

الطلاق الثلاث

بلفظ واحد

ھیئۃ کبار العلماء

حکومت سعودیہ نے اپنے ایک شاہی فرمان کے ذریعہ

علماءِ حرمین

اور ملک کے دوسرے نامور ترین علماءِ کرام پر مشتمل ایک تحقیقاتی مجلس قائم کر رکھی ہے،
جس کا فیصلہ تمام ملکی عدالتوں میں نافذ ہے، بلکہ خود بادشاہ بھی اس کا پابند ہے،

اس مجلس میں "طلاقِ ثلاث" کا مسئلہ پیش ہوا

مجلس نے اس مسئلہ سے متعلق قرآن و حدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر حدیث کی سینتالیس؟
کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کے بعد بالاتفاق واضح الفاظ میں فیصلہ دیا ہے
ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں

یہ پوری بحث اور متفقہ فیصلہ حکومتِ سعودیہ نے بر نظر رسالہ
میں شائع کیا ہے، غیر مقلدین اکثر مختلف فیہ مسائل میں اہلِ حرمین کے عمل کو بطورِ
حجت پیش کیا کرتے ہیں، یہ فیصلہ بھی علماءِ حرمین کا ہے اس لئے غیر مقلدین پر حجت ہے،

(ماخوذ از احسن الفتاوی ص ۲۲۵ ج ۵)

باب دوم

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس باب میں اُن حضرات کے دلائل کا ذکر بھی کر دیں جو دفعۃً دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں تاکہ بیک وقت تصور کے دونوں رُخ سامنے آجائیں اور صحیح طور پر دلائل کا موازنہ ہو سکے کیونکہ یکطرفہ کارروائی سے حقیقت سامنے نہیں آسکتی سچ ہے کہ وبضدھا تتبیّن الاشیاء۔

پہلی دلیل

حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد اور حضرت عمرؓ کے ایّام خلافت کے ابتدائی دو سال میں تین طلاقیں ایک ہی ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں نے اپنے معاملہ میں جلد بازی سے کام لیا ہے حالانکہ ان کو سوچنے اور سمجھنے کا وقت حاصل تھا ہم کیوں نہ ان کو ان پر نافذ کر دیں تو حضرت عمرؓ نے ان پر تین ہی نافذ کر دیں۔ (مسند احمد ص ۳۱۴ ج ۱ و مسلم جلد ۱ ص ۴۷۷ و مستدرک جلد ۲ ص ۱۹۶ و سنن الکبریٰ جلد ۷ ص ۳۳۶)

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے ابو الصہباءؒ نے یہ سوال کیا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی امارت کے ابتدائی تین سال میں تین طلاقوں کو ایک ہی کیا جاتا تھا؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہوتا رہا۔ (مسلم جلد ۱ ص ۴۷۷) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ابو الصہباءؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ آپ اپنی عجیب و غریب اور نرالی باتوں میں سے کوئی بات

ہمیں سنائیں کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے دور میں تین طلاقوں کو ایک نہیں کیا جاتا تھا، انہوں نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہوتا رہا پس جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا اور لوگوں نے پے در پے اور لگاتار طلاقیں دینا شروع کر دیں تو حضرت عمرؓ نے ان پر وہ نافذ کر دیں (مسلم جلد ۱ ص۴۷۸) ان حضرات کا بیان ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اصل سنت جس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں عمل ہوتا رہا اور اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے زرّین دور میں اور اس کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو تین سال ہیں جو معمول تھا وہ یہی تھا کہ تین طلاقوں کو ایک سمجھا جاتا تھا اور یہ ایک بہت بڑی وزنی دلیل ہے حافظ ابن القیمؒ نے اغاثة اللهفان زاد المعاد اور اعلام الموقعین وغیرہ میں اس پر لسبا سے کلام کیا ہے اور اسی طرح نواب صدیق حسن خانؒ نے دلیل الطالب میں اور مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادیؒ نے عون المعبود اور تعلیق المغنی میں اور مولانا ثناء اللہ صاحبؒ نے فتاویٰ ثنائیہ میں اور اسی طرح دوسرے حضرات نے اس روایت کو اپنے دعوے پر قاطع اور ناطق دلیل تصور کیا ہے نواب صاحبؒ اسی روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک ایسی دلیل ہے جو تمام دلائل کا گلا گھونٹ سکتی ہے۔ (بدور الاہلہ ص۱۸۷) اور اسی روایت کے پیش نظر حافظ ابن القیمؒ موج میں آکر تحریر فرماتے ہیں کہ اگر لوگوں کو اجماع کی خوشی ہے تو پہلا اجماع یہی ہے کہ تین طلاقیں ایک ہوتی تھی جس پر ہزارہا صحابہ کرامؓ عمل پیرا تھے اور فرماتے ہیں کہ مردم شماری کے لحاظ سے بھی ہم غالب ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک عہد اور حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت میں ہزارہا حضرات صحابہ کرامؓ اسی نظریہ کے قائل تھے لہٰذا مردم شماری کے لحاظ سے بھی ہمارا پلّہ بھاری ہے۔ (ملاحظہ ہو زاد المعاد جلد ۴ ص۵۸ و ص۶۲ وغیرہ محصلہ)

الجواب:۔ جمہور کی طرف سے اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں جن میں سے بعض کو ہم یہاں افادہ کے لیے نقل کرتے ہیں جن میں سے بعض روایتی پہلو کے حامل ہیں اور بعض درایتی جانب پر حاوی ہیں۔

اول :۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس روایت کی تخریج نہیں کی محض اس لیے کہ حضرت ابن عباسؓ کی جملہ صحیح روایات اس کے خلاف ہیں۔ (محصلہ سنن الکبریٰ ج۷ ص۳۳۷) اور نیز فرماتے ہیں کہ حضرت سعیدؒ بن جبیرؒ، عطاءؒ بن ابی رباحؒ مجاہدؒ. عکرمہؒ. عمروؒ بن دینارؒ، مالکؒ بن الحویرثؒ محمدؒ بن ایاسؒ بن بکیرؒ اور معاویہؒ بن ابی عیاشؒ الانصاریؒ، (تمام ثقہ اور مشہور) راوی حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا ہے (سنن الکبریٰ جلد ۷ ص۳۳۸) اور حافظ ابن رشدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے جملہ جلیل القدر شاگرد (مثلاً حضرت سعیدؒ بن جبیرؒ، مجاہدؒ، عطاءؒ، عمروؒ بن دینارؒ اور ان کے علاوہ ان کے شاگردوں کی ایک خاصی جماعت اس کے خلاف روایت کرتی ہے صرف طاؤسؒ اِس پوری جماعت کے خلاف روایت کرتے ہیں (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص۶۱)

نوٹ ضروری :۔ حضرت طاؤسؒ کی خود اپنی روایت میں بھی غیر مدخول بہا کی قید موجود ہے، چنانچہ علامہ علاؤ الدین علیؒ بن عثمان المار دینی الحنفیؒ (المتوفی ۷۴۵ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

ذکر ابن ابی شیبۃ بسند رجالہ	محدث ابن ابی شیبہؒ نے سند کے ساتھ جس
ثقات عن طاؤس وعطاء وجابر	کے تمام راوی ثقہ ہیں حضرت طاؤسؒ، عطاءؒ اور جابرؒ بن
بن زید انھم قالوا اذا طلقھا	زیدؒ سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب
ثلاثا قبل ان یدخل بھا فھی	کوئی شخص اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں
واحدۃ (الجوہر النقی علی البیہقی جلد ۷ ص۳۳۱)	دیدے تو وہ ایک ہی ہوگی۔

اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت طاؤسؒ کی اپنی روایت بھی مطلقاً تین طلاقوں کو ایک کرنے کے حق میں نہیں ہے بلکہ یہ غیر مدخول بہا سے مخصوص ہے۔ اس لیے حضرت طاؤسؒ کی یہ روایت بھی اس شبہ کو مزید تقویت دیتی ہے کہ یہ روایت مطلق نہیں ہے اور اس کو اطلاق پر رکھنا وہم ہے یہی وجہ ہے کہ حافظ ابوعمرؒ بن عبد البر المالکیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ :۔

هذه الروایۃ وھم وغلط — کہ مسلم کی یہ روایت وہم اور غلط ہے۔

(الجوہر النقی جلد، ص۳۳۷)

اور قاضی شوکانیؒ بھی امام احمدؒ بن حنبلؒ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ:

قال اصحاب ابن عباسؓ رووا عنہ خلاف ما قالہ طاؤسؒ اھ — حضرت ابن عباسؓ کے تمام شاگرد حضرت ابن عباسؓ سے اس کے خلاف روایت کرتے ہیں جو طاؤسؒ نقل کرتے ہیں۔

(نیل الاوطار جلد ۶ ص۲۴۷)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب ہے (فتح الباری جلد ۹ ص۲۹۲) امام ابن العربی مالکیؒ شارح ترمذی فرماتے ہیں کہ اس روایت میں کلام ہے لہذا یہ روایت اجماع پر کیسے ترجیح پا سکتی ہے؟ (فتح الباری جلد ۹ ص۲۹۱) علامہ ابو جعفر بن النحاسؒ اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں لکھتے ہیں کہ طاؤسؒ اگرچہ مرد صالح ہیں لیکن حضرت ابن عباسؓ سے بہت سی روایات میں متفرد ہیں، اہل علم ان روایات کو قبول نہیں کرتے منجملہ ان کے ایک روایت وہ بھی ہے جس میں انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے تین طلاقوں کے ایک ہونے کی روایت کی ہے لیکن صحیح روایت حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ سے یہی ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں (انتہیٰ بحوالہ اعلام المرفوعہ ص۲۲ از حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی) بلاشک حافظ ابن القیمؒ اور قاضی شوکانیؒ وغیرہ نے وہم اور اضطراب وغیرہ کا جواب دینے کی سعی کی ہے لیکن حلال و حرام کے مسئلہ میں ایسی روایت پر جس پر جمہور مطمئن نہ ہوں اور خود اس کے راوی حضرت ابن عباسؓ بھی اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہوں کیونکر مدار رکھی جا سکتی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد جو اس روایت کے بیان کرنے میں متفرد ہیں (یعنی حضرت طاؤسؒ) وہ بھی اس کو غیر مدخول بہا سے مقید اور مخصوص سمجھتے ہوں اور اسی پر فتویٰ دیتے ہوں۔ پھر بھلا کیونکر اس کو مدار بنایا جا سکتا ہے؟

یہ یاد رہے کہ اس روایت میں ابو الصہباءؒ کا ذکر بھی آیا ہے لیکن وہ راوی نہیں یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے تنہا حضرت طاؤسؒ کر رہے ہیں، ابو الصہباء کا ذکر صرف

۔ال کے طور پر آیا ہے جنہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا ہے اور مختلف فیہ
ہیں بعض محدثین انکو ثقہ کہتے ہیں لیکن امام ابن عبدالبرؒ ان کو مجہول کہتے ہیں (الجوہر النقی
جلد ۲ ص۲۳۷) اور امام نسائیؒ ان کو ضعیف کہتے ہیں (میزان جلد ا ص۴۶۹ وتہذیب التہذیب
جلد ۴ ص۲۲۹) اور یہ تو یقینی امر ہے کہ وہ صحابی ہرگز نہ تھے لیکن حیرت کی بات ہے کہ ان
کو تو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اور عہد صدیقی
اور حضرت فاروقؓ کے ابتدائی دور خلافت میں تین طلاقوں کو ایک کیا جاتا تھا مگر حضرات
صحابہ کرامؓ اس حکم سے بالکل ناواقف رہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے تین طلاقوں
کو تین ہی نافذ کیا تو کسی صحابی نے اس کے خلاف ایک حرف بھی نہ کہا کہ حضرت! آپ
کیا کرتے ہیں؟ سنت نبوی (علی صاحبہا الف الف تحیۃ) تو یوں ہے اور دور وہ
تھا جس میں عورتیں بھی حضرت عمرؓ کو مسائل میں روک لیتی تھیں چنانچہ ایک بی بی نے حضرت
عمرؓ کو زیادہ مہر نہ مقرر کرنے کی تلقین پر عین خطبہ کے موقع پر روکا تھا (دیکھئے رفع الملام
عن الائمۃ الاعلام صنف الحافظ ابن تیمیہؒ) اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ابو الصہباءؒ
بھی اس کو انوکھی عجیب وغریب اور نرالی بات سے تعبیر کرتے ہیں اگر یہ بات سابق ادوار میں معمول
بہ ہوتی تو یہ کوئی نرالی اور انوکھی بات تو نہ تھی اور یہی وجہ ہے کہ جمہور اس کے ظاہری الفاظ
سے نہ تو مطمئن ہیں اور نہ اس پر عمل پیرا ہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ ید اللہ علی الجماعۃ۔

رہا حضرت ابن عباسؓ کا ہاں کہہ کر اثبات میں جواب دینا تو بجا ہے مگر یہ مطلق
نہیں بلکہ یہ حکم صرف غیر مدخول بہا سے متعلق ہے اور وہ بھی جب کہ اس کو متفرق طور پر ایک
ہی مجلس میں انت طالق۔ انت طالق۔ انت طالق کہہ کر تین طلاقیں دی گئی ہوں جس کی
بحث انشاء اللہ العزیز عنقریب آرہی ہے۔

فائدہ:۔ اگر غیر مقلدین حضرات کے نزدیک مسلم میں حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کی حدیث میں
واذا قرأ فانصتوا کا جملہ (جو اپنے مقام پر دلائل قاطعہ سے ثابت ہے ملاحظہ ہو احسن الکلام
۔۔ مقدم) شاذ ہو سکتا ہے حالانکہ اس حدیث کا راوی متفرد بھی نہیں تو طاؤسؒ کی روایت

میں ایسا وہم کیوں نہیں ہو سکتا؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

دوم۔ کسی چیز کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں (اور اسی طرح عہد صدیقی میں) ہونا اس کا مقتضی نہیں کہ وہ کام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم اور اجازت سے ہوا ہو بعض کام ایسے بھی تھے جو آپ کے عہد مبارک میں ہوتے تھے لیکن آپکو ان کی خبر تک نہ تھی تو ایسے امور کا جواز کیونکر ثابت ہو سکتا ہے؟

حضرت عمارؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جنابت کے لیے تیمم کرتے وقت سر سے پاؤں تک سارے بدن پر پلٹے کھا کھا کر مٹی ملی تھی مگر جب آپکو اس کا علم ہوا تو آپ نے اُن کی اس کاروائی میں تغلیط کی (بخاری جلد ۱ ص ۵۰) اور حضرت عمرؓ نے بحالت جنابت پانی نہ ملا تو نماز ہی نہ پڑھی (بخاری ج ۱ ص ۴۸) اور اس قسم کے بیسیوں واقعات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ تو کیا آپ کے عہد میں ہونے کی وجہ سے یہ سب کام جائز ہو گئے؟ اور حدیث مذکور نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول ہے اور نہ فعل پھر اس کو کیونکر حجت گردانا جا سکتا ہے؟ چنانچہ مشہور ظاہری محدث علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ

فلیس شیء منه انه علیه الصلوٰة والسّلام هو الذی جعلها واحدة اوردها الی الواحدة ولا انه علیه الصلوٰة والسّلام علم بذٰلك فاقره ولا حجة الا فیما صح انه علیه الصلوٰة والسّلام قاله او فعله او علمه فلم ینکره اھ

(محلی جلد ۱۰ ص ۲۰۶)

اس حدیث میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کو ایک کیا تھا یا اُن کو ایک کی طرف لوٹایا تھا اور نہ اس میں یہ چیز موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا اور آپ نے اس کو برقرار رکھا اور حجت تو صرف اسی چیز میں ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی ہو یا کوئی کام کیا ہو یا آپ کو اس کا علم ہوا ہو اور آپ نے اس پر نکیر نہ فرمائی ہو۔

علامہ ابن حزمؒ کے اس بیان اور اس نظریہ سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث سرے سے

مرفوع ہی نہیں ہے کیونکہ مرفوع حدیث کے تینوں اقسام (قولی فعلی اور تقریری) اسے یہ نامنح
ہے اور حجت تو صرف آپ کی حدیث ہیں ہے کسی غیر معصوم کے غیر معصوم قول ہیں تو حجت نہیں
ہے کہ جو کچھ اُس نے کہہ دیا وہ حرفِ آخر ہوگیا اور یہی وجہ ہے کہ نہ تو حضرت عمرؓ نے اس مفروض
حکم کی مخالفت کی کچھ پروا کی اور نہ خود راوی حدیث حضرت ابن عباسؓ نے اس کی فکر کی، اگر
حضرت ابن عباسؓ کو یہ معلوم ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے مبارک زمانہ اور عہد
صدّیقی میں بلا کسی متعین صورت کے مطلقًا تین طلاقوں کو ایک کیا جاتا تھا اور پھر جب حضرت عمرؓ
نے اس کے خلاف حکم صادر فرمایا تھا تو حضرت ابن عباسؓ پر لازم تھا کہ وہ بفحوائے حدیث
مَنْ رای مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ الحدیث اس کے خلاف ضرور آواز بلند کرتے اور تعجب تو
یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فتویٰ بھی تین ہی کا دیتے رہے اور یہ طے شدہ بات ہے کہ کسی
راوی کا اپنی مروی حدیث کے خلاف عمل اور فتویٰ (بشرطیکہ وہ منسوخ وغیرہ نہ ہو) اس کی عدالت
وثقاہت پر اثر انداز ہوتا ہے تو اس صورت میں حضرت ابن عباسؓ کا (معاذ اللہ تعالیٰ) غیر
عدول ہونا لازم آتا ہے حالانکہ حضرات صحابہ کرامؓ بھی عدول تھے اور یہ بھی اصول کا مسئلہ ہے کہ جس
حدیث سے حضرات صحابہؓ کرام کی عدالت پر طعن آتا ہو، اس کے راوی اگرچہ کیسے ہی ثقہ کیوں
نہ ہوں وہ قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ ان تمام قرائن وشواہد سے بھی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے
کہ حضرت ابنِ عباسؓ کی یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہرگز محمول نہیں ہے۔

سوّم: حضرت امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ بعید
نہیں کہ یہ روایت جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے منسوخ ہو ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے
کہ آنحضرتِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا ایک حکم ان کو معلوم ہو اور پھر وہ دیدہ دانستہ اس
کے خلاف عمل کرتے اور فتویٰ دیتے ہوں (محصلہ سنن الکبریٰ جلد ۷ ص ۳۳۸) اور ان کا یہ ارشاد
بعید از قیاس نہیں ہے کیونکہ طلاق کے سلسلہ میں پہلے تین طلاقیں دے چکنے کے بعد بھی
رجوع کیا جا سکتا تھا جو بعد کو منسوخ ہوگیا، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے ہی روایت
ہے کہ پہلے تین طلاقوں کے بعد رجوع ہو سکتا تھا مگر بعد کو یہ حکم منسوخ ہوگیا (نسائی جلد ۲ ص ۱۱۲

(ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۹۹) اور امام ابوداؤدؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی مسلم والی روایت کو باب بقیۃ نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث کے تحت داخل کر کے اس کی نسخ کو ثابت کیا ہے (ملاحظہ ہو ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۹۸) اور علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمی الشافعیؒ (المتوفی ۵۸۴ھ) فرماتے ہیں کہ پہلے تین طلاقوں کے بعد مراجعت کا حق پہنچتا تھا مگر بعد کو بالاجماع یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ ظاہر قرآن و حدیث اسی پر دال ہیں (کتاب الاعتبار صفحہ ۱۸۱) اور حافظ ابن حجرؒ اور علامہ آلوسیؒ وغیرہ کے حوالہ سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع بغیر نسخ کے علم کے بالکل نہیں ہو سکتا اور حافظ ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے کہ جب کسی مسئلہ پر اجماع ہوگیا ہو تو لامحالہ ان کو نسخ کا علم ہو چکا ہوگا اگرچہ بعض سے نص ناسخ مخفی رہ جائے اور چونکہ حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ اس حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے اس لیے یہ واضح قرینہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب تین طلاقوں کے تین ہونے پر اجماع ہوگیا (اور اجماع وجود ناسخ کی دلیل ہے) تو حضرت ابن عباسؓ مطمئن ہوگئے اور اس کے خلاف فتویٰ دیتے رہے ورنہ اپنی مروی حدیث کے خلاف ان کا فتویٰ معاذاللہ تعالیٰ ان کی عدالت پر اثر انداز ہوگا۔

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

ومخالفت راوی از برائے مروی دلیل است بر آنکہ راوی علم ناسخ دارد
چہ حمل آں بر سلامت واجب است (دلیل الطالب صفحہ ۴۷۶)

قاضی شوکانیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے فتویٰ کے اس حدیث کے خلاف ہونے کی ایک وجہ نسیان اور بھول جانا بھی لکھا ہے (ملاحظہ ہو نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۲۴۷) مگر یہ وجہ بالکل مردود ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ نے متعدد مواقع پر حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی موجودگی میں یہ فتویٰ دیا ہے تو کیا کسی موقع پر بھی ان کو اپنی مروی حدیث یاد نہ آئی؟ جب کہ ان کے بغیر یہ روایت صحیح سند کے ساتھ کسی اور صحابیؓ سے مروی ہی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد عبداللہ صاحب روپڑیؒ (المتوفی ۱۳۸۵ھ

لکھتے ہیں کہ امام شوکانیؒ نے جو بھولنا وجہ بیان کی ہے یہ بالکل ٹھیک نہیں الخ (ایک مجلس کی تین طلاقیں ضمیمہ تنظیم اہلحدیث روپڑ ص۳)

چہارم: حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اور عہد صدیقی میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس عہد میں عموماً ایک رہتے ہیں بجائے تین طلاقوں کے صرف ایک طلاق دی جاتی تھی (اس کے بعد اگر خاوند مناسب سمجھتا تو دوسرے اور تیسرے طُہر میں مزید طلاق دیدیتا ورنہ ایک طلاق پر ہی اکتفا کر لیتا اور عدت گذر جانے کے بعد عورت اُس کے نکاح سے آزاد ہو جاتی) اگرچہ تین کا ثبوت بھی اس مبارک عہد میں ہے جیسا کہ حضرت محمودؓ بن لبیدؓ وغیرہ کی روایت باحوالہ پہلے گذر چکی ہے مگر نسبتاً ایسا کم ہوتا تھا لیکن بعد کو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تین کا رواج بکثرت ہو گیا اور انہوں نے تین ہی کو لوگوں پر نافذ کر دیا اور حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد اس کی تائید کرتا ہے کہ شریعت نے اُن کو تدبر کا موقع دیا تھا لیکن لوگوں نے جلد بازی سے کام لینا شروع کر دیا ہے لیکن جب لوگوں نے اس کا التزام کیا ہے تو ہم بھی ان کو ان پر نافذ کئے دیتے ہیں اور ایک روایت میں تتابع الناس فی الطلاق کے الفاظ آئے ہیں کہ عہد فاروقی میں لوگوں نے لگاتار طلاق دینا شروع کر دیا۔ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ عدد اور گنتی کے لحاظ سے تو تین طلاقیں ہوتی تھیں مگر شمار میں ایک ہوتی تھی اور اس مطلب کے لیے مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ (المتوفی ۹۵ھ) کی وہ روایت دلیل اور قرینہ ہے جو مصنف ابن ابی شیبہؒ وغیرہ میں آتی ہے۔

کانوا یستحبون ان یطلقها واحدۃ ثم یترکها حتی تحیض ثلاث حیض (نصب الرایہ جلد ۳ ص۲۲۲ و درایہ ص۲۲۶)	کہ وہ حضرات اس کو پسند کرتے تھے کہ بیوی کو صرف ایک ہی طلاق دی جائے پھر اس کو چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ تین حیض اس پر گذر جائیں۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت باسناد صحیح ہے (درایہ ص۲۲۶)

اور محدث جلیل امام عبیداللہؒ بن عبدالکریم ابوزرعہ الرازیؒ (المتوفی ۲۶۸ھ)

حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ۔

معنی ھذا الحدیث عندی ان ما تطلقون انتم ثلاثا کانوا یطلقون واحدۃً فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم وابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما۔ (سنن الکبریٰ جلد، ص۳۳۸)	اس حدیث کا میرے نزدیک یہ مطلب ہے کہ جیسے تم (اب اکٹھی) تین طلاقیں دیتے ہو حضرات صحابہ کرامؓ وغیرہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور میں صرف ایک ہی طلاق دیا کرتے تھے۔

اور اس حدیث کا یہ معنیٰ امام نوویؒ امام خطابیؒ، امیر یمانیؒ اور علامہ زرقانیؒ بھی ذکر کرتے ہیں (ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم جلد ا ص۴۷۸ معالم السنن جلد ۳ ص۱۲۷، سبل السلام ج۲ ص۲۱۱، و زرقانی شرح موطا جلد ۳ ص۱۶۷) گویا اس لحاظ سے حضرت ابن عباسؓ نے لوگوں کی عادت بدلنے کا ذکر کیا ہے نہ کہ کسی مسئلہ کے حکم کے تغیر کا (ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم $\frac{۴۷۸}{۱}$) لہٰذا یہ روایت اس متنازع فیہا مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتی اور چونکہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا کسی اور صحیح روایت سے ثبوت نہیں ہے، اصول حدیث کے لحاظ سے صرف یہی روایت صحیح ہو سکتی تھی اور جب اس سے یہ مسئلہ ثابت نہ ہوا تو تین طلاقوں کو ایک کرنے اور کہنے والے بالکل بلا دلیل رہ گئے اور جمہور کے پاس علاوہ اجماع کے اور بھی متعدد صحیح دلائل موجود ہیں کما مرّ۔

پنجمؔ:- حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو اگر اپنے ظاہر پر ہی حمل کیا جائے اور ہر طرح سے اس کو بے غبار تسلیم کیا جائے تو پھر اس کا اُن صحیح روایات سے تعارض لازم آئے گا جو جمہور کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے تو تعارض کی صورت میں بھی جمہور کی طرف سے پیش کردہ احادیث اور دلائل کو کئی وجوہ سے ترجیح ہوگی، اوّل یہ کہ علامہ الحازمی الشافعیؒ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ اگر ایک طرف کی حدیث ظاہر قرآن کے موافق ہو اور دوسری نہ ہو تو جو حدیث ظاہر قرآن کے موافق ہوگی، اسی کا اعتبار ہوگا۔ (کتاب الاعتبار ص۱۶) اور پہلے باحوالہ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جمہور کی دلیل

ظاہر قرآن کے موافق ہے اس لیے اسی کو ترجیح ہوگی دوم یہ کہ ایک حدیث پر (جمہور) امت کا عمل ہو اور دوسری پر نہ ہو تو اس حدیث کو ترجیح ہوگی جس پر (جمہور) امت کا عمل ہے کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے بخلاف دوسری کے (محصلہ کتاب الاعتبار ص۱۸) اور یہ بات بھی پہلے باحوالہ عرض کی جاچکی ہے کہ تقریباً بھی حضرات صحابہ کرامؓ اور جمہورؒ امت کا اسی پر اجماع ہے کہ بیک دفعہ دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہوں گی لہذا تین طلاقوں کے واقع ہو جانے والی احادیث ہی کو ترجیح ہوگی سوم یہ کہ جب محرم اور مبیح کا تعارض ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے (کتاب الاعتبار ص۲۱) اور جمہور ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن سے تین طلاقوں کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں جو حضرات تین کو ایک قرار دیتے ہیں وہ گنجائش پیدا کرکے اباحت کی دلیل پر عمل پیرا ہیں تو جمہور کی دلیل کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہ محرم ہے۔ الحاصل اس قسم کی اور بھی کئی وجوہات ترجیح بیان کی گئی ہیں مگر ہمارا مقصد سب کا احاطہ نہیں ہے۔

ششم: حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت مطلق نہیں بلکہ غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے یعنی یہ روایت ایسی عورت کے حق میں ہے جس کے ساتھ ابھی تک خاوند نے ہمبستری نہیں کی اور اسے یوں طلاق دی ہے انت طالق انت طالق انت طالق اس میں وہ پہلی طلاق سے جدا ہو جائیگی اور دوسری اور تیسری طلاق کا وہ محل نہیں رہیگی چنانچہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو کہے انت طالق، انت طالق، انت طالق تو پہلی طلاق واقع ہو جائے گی اور دوسری اور تیسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ (کتاب الام جلد ۵ ص۱۶۱) حضرت امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوبکرؒ بن عبدالرحمنؒ بن الحارثؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو کہا انت طالق، پھر کہا انت طالق اور پھر کہا انت طالق تو پہلی طلاق سے وہ جدا ہو جائے گی اور دوسری اور تیسری کے حق میں وہ بالکل اجنبی رہیگی (محصلہ سنن الکبریٰ جلد ۷ ص۳۵۵) اور امام بیہقیؒ نے یہی قول حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت

امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کا نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو سنن الکبریٰ جلد ۷ ص۳۵۵) امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہی میرا قول ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے (جامع المسانید جلد ۲ ص۱۵۵) اور امام ابویوسفؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امام ابراہیم نخعیؒ سے یہ فتویٰ نقل کیا ہے (کتاب الآثار ص۱۳۱ لابی یوسفؒ طبع مصر) اور امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ بطریق قتادہؒ حضرت ابن عباسؓ سے بھی وہ روایت بیان کرتے ہیں جس میں غیر مدخول بہا کی قید موجود ہے۔

چنانچہ حضرت قتادہؒ :-

عن عکرمة وعطاء وطاؤس وجابر بن زید کلهم یروونه عن ابن عباس رضی الله عنه انه قال هی واحدة بائنة یعنی فی الرجل یطلق زوجته ثلاثا قبل ان یدخل بها الخ	حضرت عکرمہؒ، عطاءؒ، طاؤسؒ اور جابرؒ بن زیدؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ سب حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ جو شخص اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیتا ہے تو وہ اس کے حق میں ایک بائن طلاق ہوتی ہے۔

(سنن الکبریٰ جلد ۷ ص۳۵۵)

اور یہی قول حافظ ابن القیمؒ نے حضرت طاؤسؒ اور جابرؒ بن زیدؒ سے نقل کیا ہے کہ غیر مدخول بہا کی تین طلاقیں ایک ہوتی ہے (اغاثة جلد ۱ ص۳۲۴) اور پھر یہ لکھتے ہیں کہ غیر مدخول بہا کے بارے میں ایک طلاق بائن حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس صورت میں ہوگی جب کہ دفعۃً نہ ہو بلکہ متفرق طور پر (انت طالق، انت طالق، انت طالق کے الفاظ) ہو اور اپنی سند کے ساتھ امام شعبیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ :-

عن ابن عباسؓ فی رجل طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها قال عقدة کانت بیده ارسلها جمیعًا و اذا کان تترٰی فلیس بشئ قال سفیان تترٰی یعنی انت طالق	وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو ہمبستری سے قبل اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالیں تو جو اختیار اس کے ہاتھ میں تھا اس نے کلیتہً اس کو ضائع کر دیا اور اگر یکے بعد دیگرے تین طلاقیں دیں جس کی کیف

انت طالق، انت طالق فانها تبین بالاولیٰ والثنتان لیستا بشیٔ۔ (سنن الکبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۵۵)

امام سفیان ثوریؒ نے یہ کہی ہے کہ اس نے کہا انت طالق، انت طالق، انت طالق تو وہ عورت پہلی طلاق سے بائن ہو جائے گی اور دوسری اور تیسری طلاق بیکار جائے گی۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک بھی غیر مدخول بہا کی قید ملحوظ ہے اور پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت طاؤسؒ بھی حضرت ابن عباسؓ کے دیگر تلامذہ کی طرح حضرت ابن عباسؓ سے غیر مدخول بہا سے متعلق ہی ان کا یہ فتویٰ نقل کرتے ہیں اور حافظ ابن القیمؒ امام ابن المنذرؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ سعیدؒ بن جبیرؒ طاؤسؒ ابو الشعثاءؒ، عطاءؒ اور عمروؒ بن دینار یہ فرماتے تھے کہ جس نے کنواری (یعنی غیر مدخول بہا) کو تین طلاقیں دیں تو وہ ایک ہی ہوگی (اغاثۃ جلد ۱ صفحہ ۲۹۰) تو یہ واضح قرینہ ہے کہ مسلم کی روایت میں قبل ان یدخل بہا کا جملہ چھوٹ گیا ہے اور یہ کوئی مستبعد امر نہیں ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن مسعودؓ سے لیلۃ الجن سے متعلق مسلم ج ۱ صفحہ ۱۸۴ میں یہ الفاظ آئے ہیں لیس معہ احد۔ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس موقع پر کوئی نہ تھا حالانکہ متعدد صحیح روایات سے (جن میں ایک ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ کی روایت بھی ہے وقال الترمذی حسن صحیح) ثابت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ آپ کے ساتھ تھے اس تعارض کو رفع کرنے کے لیے ایک بات محققین نے یہ بیان کی ہے جیسا کہ امام ابو محمد عبد اللہؒ بن مسلم ابن قتیبہؒ (المتوفی ۲۷۶ھ) اپنی کتاب مختلف الحدیث (صفحہ ۱۱۹ طبع مصر) میں لکھتے ہیں کہ کبھی حدیث کا معنیٰ اس لیے بگڑ جاتا ہے کہ اس میں کسی راوی سے کوئی فروگذاشت ہو جاتی ہے جیسا کہ ابن مسعودؓ کی روایت میں لفظ غیری چھوٹ گیا ہے۔ اصل روایت یوں تھی لم یکن معہ احد غیری اور ایسا ہی علامہ ماردینی الحنفیؒ نے امام محمد البطلیوسیؒ کی کتاب التنبیہ علی الاسباب الموجبۃ للخلاف کے حوالہ سے نقل کیا ہے (الجوہر النقی جلد ۱ صفحہ ۱۲) اور امام حاکمؒ نے مستدرک (صفحہ ۵۰۲/۲) میں حضرت ابن مسعودؓ کی اسی روایت میں یہ جملہ بھی نقل کیا ہے فلم یحضرہ منہم احد غیری

امام حاکمؒ نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور علامہ ذہبیؒ تلخیص المستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۰ میں فرماتے ہیں ھو صحیح عند جماعة. کہ یہ روایت محدثین کرامؒ کی ایک خاص جماعت کے نزدیک صحیح ہے۔

غرضیکہ حضرت ابن عباسؓ کی مسلم والی روایت مطلق نہیں بلکہ غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے، اب اہل تحقیق علماء کی مرضی ہے کہ وہ یہ تسلیم کرلیں کہ مسلم کی روایت میں قبل ان یدخل بھا کا جملہ کسی راوی سے چھوٹ گیا ہے یا یہ تسلیم کرلیں کہ مسلم کی روایت مجمل ہے اور دوسری روایات (مثلاً ابوداؤد وغیرہ کی) اس کی مفسر ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بلا کسی اختلاف اور بدون چون وچرا کے اس کے ظاہر کے خلاف اجماع منعقد ہوا اور ائمہ اربعہؒ اور جمہور محدثینؒ اور اکابر علماء اسلام حتیٰ کہ علامہ ابن حزم الظاہریؒ بھی اس کے خلاف پر مجبور ہوئے سوچئے کہ ان جبال علم نے اس حدیث کے ظاہر کے خلاف فتویٰ اور عمل کیوں اختیار کیا؟ مجبوری کیا تھی؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر مشہور غیر مقلد عالم مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑیؒ کی تحقیق بھی ہدیہ قارئین کرام کردیں تاکہ بات بالکل کھل کر سامنے آجائے، مولانا فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی مسلم والی حدیث کا ظاہر اگرچہ اسی کو چاہتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی ہوں لیکن ابن عباسؓ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے وہ تین کو تین ہی کہتے ہیں جیسے ابوداؤد (جلد ۱ صفحہ ۲۹۹) اور منتقیٰ (صفحہ ۲۲۷) وغیرہ میں ہے۔ ابن عباسؓ کا فتویٰ اس کے خلاف ہونا قوی شبہ ڈالتا ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں شائد اس سے غیر موطوءہ (جس عورت سے ہم بستری نہیں ہوئی) مراد ہو جس کو یوں طلاق دی گئی ہو انت طالق، انت طالق، انت طالق۔ چنانچہ نسائیؒ نے اس حدیث پر باب ہی یوں باندھا ہے۔ باب طلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة (جلد ۲ صفحہ ۸۳) باب جب اپنی بیوی کو ہمبستری سے قبل متفرق تین طلاق دینے میں۔ ابوداؤد میں ابن عباسؓ کی مسلم والی حدیث ان الفاظ سے ہے۔

اما علمت ان الرجل کان اذا طلق — آپ کو معلوم نہیں کہ حضرات (صحابہ کرامؓ) جب

امراتہ ثلاثا قبل ان یدخل بہا — اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیا کرتے تھے
جعلوھا واحدۃ (جلد ۱ ص ۲۹۹) — (تو) اس کو وہ ایک ہی سمجھتے تھے۔

ابوداؤد کے یہ الفاظ نسائی کے باب کو تقویت دیتے ہیں اور نیل الاوطار (جلد ۶ ص ۲۴۸)
میں ابوداؤد کے یہ الفاظ نقل کر کے لکھا ہے علما نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب کوئی
شخص اپنی غیر موطؤہ بیوی کو کہے گا انت طالق ثلاثا تو اسے انت طالق سے ہی طلاق
واقع ہو جائے گی، اس کے بعد وہ عورت ثلاثا کا محل نہیں رہ سکتی لہذا تین کی قید لغو ہو
جائے گی الخ (رسالہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ضمیمہ تنظیم اہلحدیث روپڑ ص ۳)

ابوداؤد کی سند میں جو راوی ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) محمد بن عبد الملکؒ بن مروان، امام دارقطنیؒ اور مسلمہؒ بن قاسمؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے،
امام ابوحاتمؒ ان کو صدوق کہتے ہیں، امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب
جلد ۹ ص ۳۱۷) علامہ سمعانیؒ ان کو صاحب علم، صدوق اور ثقہ کہتے ہیں (بذل المجہود جلد ۳ ص ۱۷)
(۲) ابوالنعمان محمدؒ بن فضل السدوسیؒ، علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الثبت لکھتے ہیں (تذکرہ ج ۱
ص ۳۷۰) محدث ابن حبانؒ نے ان کے مختلط ہونے کی وجہ سے ان میں سخت کلام کیا ہے،
لیکن علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ابن حبانؒ ان کی ایک بھی منکر حدیث بتلانے پر قادر نہیں ہو سکے
حالانکہ صحیح بات وہ ہے جو امام دارقطنیؒ نے فرمائی ہے کہ وہ ثقہ ہیں اور اختلاط کے بعد بھی کوئی
منکر حدیث ان سے ثابت نہیں ہے۔ (میزان جلد ۳ ص ۱۲۱ و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۰۲)
(۳) حمادؒ بن زیدؒ علامہ ذہبی ان کو الامام الحافظ المجود اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ (تذکرہ ج ۱
ص ۲۲۱) (۴) ایوب سختیانی۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الامام، الحافظ اور احد الاعلام لکھتے ہیں۔
(تذکرہ جلد ۱ ص ۱۲۲) (۵) غیر واحد یعنی متعدد راوی اس کو روایت کرتے ہیں۔ مولانا شمس الحق
صاحب عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں کہ غیر واحد میں معلوم نہیں کون ہیں تو یہ سند مجہول روات
سے ہے اس لیے یہ ضعیف ہے (عون المعبود جلد ص ـــ) لیکن مولانا حافظ محمد عبداللہ
صاحب روپڑیؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ ان کی غلطی ہے۔ فتح الباری۔ (جلد ۲۲ ص ۱۶۴)

میں اس حدیث کی بابت لکھا ہے ابوداؤدؒ نے اس روایت کی تخریج کی ہے لیکن ابراہیمؒ بن میسرہ وغیرہ کا نام نہیں لیا بلکہ اس کے عوض غیر واحد کہہ دیا ہے الخ (ضمیمہ ۲) مولانا کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے یہی سند مسلم جلد ا ص۴۷۸ میں یوں ہے عن حماد بن زید عن ایوب السختیانی عن ابراھیم بن میسرۃ عن طاؤس الخ اور ابراہیم بن میسرہؒ کو امام سفیانؒ اوثق الناس واصدقھم (لوگوں میں ثقہ تر اور بہت سچے) کہتے ہیں۔ امام احمدؒ، امام یحییٰؒ امام عجلیؒ، اور امام نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں اور علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں اور امام ابوحاتمؒ ان کو صالح کہتے ہیں اور امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ا ص۱۷۲) (۶) طاؤسؒ جلیل القدر تابعی ہیں امام ابن معینؒ اور امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں (تہذیب جلد ۵ ص۹) (۷) حضرت عبداللہ بن عباسؓ مشہور صحابی ہیں۔

الغرض ابوداؤد کے جملہ راوی ثقہ اور ثبت ہیں۔ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ۔

رواہ ابوداؤد باسناد صحیح وفیہ تصریح قبل ان یدخل بھا الخ (زاد المعاد جلد ۴ ص۵۵)

اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور اس میں ہم بستری سے قبل کی تصریح موجود ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ۔

کان الرجل اذا طلق امرأتہ ثلاثا قبل ان یدخل بھا جعلوھا واحدۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ وصدرا من خلافۃ عمرؓ۔ الی ان قال ھذا لفظ الحدیث وھو بأصح اسناد الخ (زاد المعاد جلد ۴ ص۱۱۱)

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ہمبستری سے قبل تین طلاقیں دے دیتا تو وہ حضرات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کی امارت کے ابتدائی دور میں ان کو ایک قرار دیتے تھے۔ (پھر آگے فرمایا) یہ اس حدیث کے الفاظ ہیں جو صحیح ترین سند سے ثابت ہے۔

الحاصل مسلم میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت غیر مدخول بہا سے متعلق ہے ہر مطلقہ کے بارے میں نہیں ہے اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ متفرق طور پر انت طالق، انت طالق، انت طالق سے اس کو طلاق دی گئی ہو۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں آتا ہے انا قال انت طالق ثلاثا بفم واحد فهي واحدة۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دفعۃً دی گئی تین طلاقیں بھی غیر مدخول بہا کے حق میں ایک ہوتی ہے لیکن مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑیؒ فرماتے ہیں۔ مگر ابوداؤد لسلاخطہ ہو جلد اصـ ۲۹۹) اس کی صحت تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کو منکرؒ کا قول قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس روایت میں ثلاثا کو انت طالق کے ساتھ نہ لگایا جائے بلکہ قال کے ساتھ لگایا جائے یعنی (قال ثلاثا انت طالق انت طالق تین دفعہ کہے تو غیر مدخولہ کے بارے میں یہ تین ایک طلاق ہو گی اور بفم واحد کے معنی اس صورت میں یہ ہوں گے کہ انت طالق تین دفعہ لگاتار کہے درمیان میں فاصلہ نہ کرے اور فائدہ اس قید کا انت طالق ثلاثا سے احتراز ہے کیونکہ انت طالق ثلاثا میں غیر مدخولہ پر بھی تین پڑ گئی ہیں انتہی۔ (ضمیمہ ۳۵)

قاضی شوکانیؒ نے کہا تھا کہ انت طالق ثلاثا میں انت طالق سے غیر مدخولہ کو طلاق ہو جائے گی اور ثلاثا کی قید لغو ہو جائے گی۔ مگر مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑیؒ، ان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ابوداؤد کی حدیث کا مطلب یہ ٹھیک نہیں بلکہ ابوداؤد کی حدیث کا مطلب یہ بیان کرنا چاہیئے کہ جب انت طالق، انت طالق، انت طالق تین دفعہ الگ الگ کہے تو غیر مدخولہ کی بابت تین ایک ہی ہوتی ہے کیونکہ غیر مدخولہ پہلی دفعہ انت طالق کہنے سے جدا ہو جاتی ہے تو اس کے بعد انت طالق کہنا بیکار ہے اور ابن عباسؓ کا فتویٰ جو منتقی اور ابوداؤد (وغیرہ) سے نقل کیا ہے (کہ غیر مدخولہ پر تین واقع ہوں گی) انت طالق پر محمول ہے یعنی جب جدا جدا انت طالق نہ کہے بلکہ ایک ہی دفعہ انت طالق ثلثا

کہدے تو اسی وقت خواہ غیر موطوءہ ہو اس پر تین ہی واقع ہوں گی، پس اس صورت میں نسائیؒ کا باب میں متفرق کی قید لگانا بالکل درست ہوگا انتہیٰ (ضمیمہ ص۶)

قاضی شوکانیؒ نے (نیل الاوطار جلد۶ ص۲۴۸ میں) یہ کہا کہ ابوداوٗد کی مقید حدیث غیر موطوءہ سے متعلق ہے اور مسلم کی مطلق حدیث موطوءہ سے متعلق ہے لہٰذا جب غیر موطوءہ کی تین متفرق طلاقیں ایک سمجھی جاتی ہے تو موطوءہ کی بھی اسی طرح ایک ہی سمجھی جائے گی۔ لیکن مولانا حافظ محمد عبد اللہ صاحب روپڑیؒ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ یہ جواب قابل اعتماد نہیں اور اس کے متعلق بحث (کرتے ہوئے) امام شوکانیؒ نے یہ جواب دیا ہے مگر کمزور ہے کیونکہ اس صورت میں ابوداوٗد کی حدیث میں قبل دخول کی قید فضول جاتی ہے، نیز ایک حدیث جب مختلف طرق سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہو تو وہ ایک ہی ہوتی ہے ان سب الفاظ کو ملا کر مطلب لیا جائیگا الخ (ضمیمہ ص۵)

حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث کے اور بھی متعدد جوابات کتابوں میں منقول ہیں۔ لیکن ہمارا مقصد سب جوابات کا احاطہ نہیں اور نہ یہ ہمارے حیطۂ امکان میں ہے البتہ مشتے نمونہ از خروارے چھ جواب عرض کر دیئے گئے ہیں جو ہر ایک اپنے مقام پر درست اور صحیح ہو سکتا ہے، البتہ اصولِ حدیث کے پیش نظر چھٹا جواب ہمیں زیادہ پسند ہے کیونکہ اس میں ہر روایت اپنی جگہ صحیح رہتی ہے اور کسی روایت کی تضعیف لازم نہیں آتی اور یہی جواب بہتر اور عمدہ ہے کہ بات بھی قوی ہو جائے اور خرابی بھی لازم نہ آئے بقول شخصے نہ ہینگ لگے نہ پھٹکری۔ البتہ ایک اور ضروری بات اس حدیث کے بارے میں رہ گئی ہے وہ یہ کہ بعض حضرات نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کو کہ تین طلاقوں کو تین ہی کر دیا جائے عقوبت اور سزا پر اور بعض نے سیاست پر محمول کیا ہے، چنانچہ انہی حضرات میں مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ (المتوفی ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) بھی ہیں جو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ فعل شرعی نہ تھا بلکہ سیاسی تھا۔ ان کی تردید کرتے ہوئے مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹیؒ (المتوفی ۱۳۷۵ھ) لکھتے ہیں کہ۔

حضرت عمرؓ کی نسبت یہ تصور دلانا کہ انہوں نے معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت کو بدل ڈالا بہت بڑی جرأت ہے واللہ اس عبارت کو نقل کرتے وقت ہمارا دل دہل گیا اور حیرانی ہوگئی کہ ایک شخص جو خود مسئلہ کی حقیقت نہیں سمجھا وہ خلیفہ رسول اللہ کی نسبت یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ سنت کے بدلنے میں اس قدر جری تھا استغفراللہ استغفراللہ اس حکم کے سیاسی سمجھنے میں سخت ٹھوکر کھائی ہے اور ہیچ در ہیچ غلطیوں کے سلسلہ میں پڑ گئے ہیں یہ کہنا کہ خلیفہ کے بعد اس کے بحال رہنے یا نہ رہنے میں اختلاف ہوا سراسر غلط اور ایجاد بندہ ہے محدثین کی طرف یہ بات منسوب کرنی کہ وہ اسے سیاسی حکم کہتے تھے بالکل غلط ہے اور یہ ایجاد بندہ ہے۔ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں جو گروہ اس حکم میں حضرت عمرؓ کی موافقت کرتا ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ حضرت عمرؓ کا یہ حکم محض سیاسی تھا اور نہ یہ کہتا ہے کہ وہ سیاسی حکم اب بھی بحال رہنا چاہیئے بلکہ وہ تو اسے اس لیے مانتا ہے کہ اس کے نزدیک حضرت عمرؓ کا یہ حکم قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے پھر آگے لکھتے ہیں جناب نے جو یہ فرمایا ہے کہ محدثین اس کو سیاسی حکم کہتے ہیں اس جگہ محدثین سے اگر ہم جمیع محدثین مراد لیں جو بجا ہے تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ اور ان کے مثل دیگر ائمہ حدیث جن کے اسماء گرامی لکھنے میں خوف طوالت ہے محدثین کی فہرست میں شامل ہیں یا نہیں؟ اگر شامل ہیں تو یہ بات "گیتہ" تو درست نہ ہوئی کہ محدثین اس کو سیاسی حکم کہتے ہیں کیونکہ سب ائمہ مذکورین صورت زیر سوال میں تین طلاق پڑنے کے قائل ہیں اور وہ اس کے دلائل شرعیہ بیان کرتے ہیں کیا جناب مہربانی فرما کر ان بزرگان دین کی تصریحات بتلانے کی تکلیف گوارا کریں گے جہاں انہوں نے اس حکم فاروقی کو محض ایک سیاسی حکم قرار دیا ہو اور مذہبی نہ سمجھا ہو اور پھر اسے بحال رکھا ہو۔ ہمیں بار بار اپنے قصور علم کا اعتراف کرتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں ایسی کوئی تحریر نہ ملی جس میں یہ مذکور ہو کہ ائمہ عظام نے حضرت عمرؓ کے اس حکم کو محض ایک سیاسی سمجھا اور اگر لفظ محدثین سے جناب کی مراد بعض محدثین ہوں تو اس صورت میں ہم گذارش کریں گے کہ جناب اس

کے حوالہ کی بھی تکلیف گوارا کر کے اور ہم پر احسان کر کے ثواب دارین حاصل کریں کہ وہ کون سے محدثین ہیں جنہوں نے آپ کی طرح اسے سیاسی مداخلت فی الدین سمجھا ہو گو بقول آپکے جائز مداخلت ہو اور اگر محدثین سے آپ کی اپنی ذات گرامی اور اس زمانہ کے آپ جیسے دیگر علماء اہلحدیث مراد ہیں تو بے ادبی معاف! مجھے آپ کو یا اُن کو محدثین کہنے میں تامل ہے دورہ میں صحاح ستہ کی سطروں پر سے نظر گذار دینے سے محدث نہیں بن سکتے۔

آخر میں ہم پھر دُہراتے ہیں کہ متقدمین میں سے امام مالکؒ کا موطا پھر امام شافعیؒ کی کتاب الام پھر متاخرین میں سے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ازالۃ الخفاء ملاحظہ فرمایئے جن کے بعد اس وقت تک ہندوستان میں تو ایسا شخص ہوا نہیں کہ اُسے امام کہہ سکے اور دوسرے ممالک کا حال خدا جانے ان سب کتب میں حضرت عمرؓ کی موافقت دلائل شرعیہ سے کی گئی ہے انتہی (اخبار الحدیث ۵ ارنومبر ۱۹۲۹ء بحوالہ ازہار مرتبہ (صلا۲)

حضرت مولانا سیالکوٹیؒ نے حضرت عمرؓ کے اس حکم کے سیاسی ہونے کی جس سُلجھے ہوئے انداز سے تردید کی ہے اِس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ اور نواب صدیق حسن خانؒ صاحب نے بھی مختلف پیرایے بدل بدل کر آخر میں اُس کو شرعی حکم کہا اور تسلیم کیا ہے (ملاحظہ ہو الجنہ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص۶۵)

الغرض حضرت عمرؓ کا یہ حکم نہ تو سزا کے طور پر تھا اور نہ سیاسی تھا بلکہ خالص اور نرا

ؔ حافظ ابن القیمؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

فلما رکب الناس الاحموقة (الیٰ ان قال) اجری اللہ علیٰ لسان الخلیفة الراشد والصحابة معه شرعا وقدرًا الزامهم بذٰلك وانفاذه علیهم۔ (اعلام الموقعین جلد ۲ ص۲۷)

جب لوگوں نے حماقت کا ارتکاب شروع کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ راشدؓ اور ان کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی زبانوں پر از روئے شرع اور قدر تین طلاقوں کو ان پر جاری اور نافذ کر دیا۔

حافظ ابن القیمؒ کی اس عبارت سے بھی صراحت سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ حکم شرعی تھا نہ کہ سیاسی

مذہبی اور شرعی حکم تھا اگر بالفرض اور کوئی دلیل نہ بھی ہوتی تو خود ان کا ارشاد خلیفہ راشد ہونے کی وجہ سے مضمونِ حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین الحدیث سنت ہوتا اور پھر ان کے عہد میں حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع اس پر مستزاد ہے اور حضرات ائمہ اربعہؒ اور جمہور امت کا اجماع اس کے علاوہ ہے اور ظاہر قرآن کریم اور احادیث صحیحہ اس کے علاوہ ہیں جو سب سے مقدم ہیں، اس لیے یہی مسلک حق اور صواب ہے، اسی میں خیر اور اسی میں دین و دنیا کی فلاح و کامرانی ہے اللہ تعالیٰ سب کو حق پر قائم و دائم رکھے، آمین۔

حضرت ابن عباسؓ کی اس مذکورہ حدیث کے جو جوابات ہم نے عرض کیے ہیں وہ اپنی دانست کے مطابق ہیں عمدۃ الاثاث طبع اول کے وقت فتاویٰ ثنائیہ ہمارے پیش نظر نہ تھا اس کے بعد دستیاب ہوا ہے اس میں حضرت ابن عباسؓ کی اسی روایت کے بارے میں خاصی علمی بحث ہے جو مشہور غیر مقلد اور مدرس عالم مولانا ابوسعید شرف الدین دہلویؒ نے کی ہے ہم بقید حروف اس کو یہاں نقل کرتے ہیں قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ بغور اس کو پڑھیں

شرفیہ

قول مجیب مرحوم کہ محدثین کے نزدیک ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی کا حکم رکھتی ہیں۔ بحدیث ابن عباسؓ کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ وسنتین من خلافۃ عمرؓ طلاق الثلاث واحدۃ (مسلم) اس استدلال میں چند وجوہ کلام ہے اوّل۔ یہ کہ اس میں مجلسِ واحد کا ذکر ہی نہیں عام اس سے کہ مجلس ایک ہو یا تین بلکہ اطہار ثلاثہ ہوں یا نہ اور جس روایتِ مسند احمد میں مجلسِ واحد کا ذکر ہے وہ صحیح نہیں اس کی سند بروایتِ عکرمہ عن عمران بن حصین ہے (اصل سند میں داؤد بن حصین عن عکرمہ ہے) جس کو محدثین حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایسی روایت خصوصاً صحیح نہیں ہوتی ملاحظہ ہو تقریب التہذیب وغیرہ دوّم۔ یہ کہ محدثین نے اس میں طویل کلام کیا ہے جس کی تفصیل شرح مسلم امام نوویؒ اور فتح الباری وغیرہ میں ہے خصوصاً میری کتاب الطلاق ملاحظہ ہو۔ سوّم۔ یہ کہ اس میں یہ تفصیل نہیں کہ یہ تین طلاق والے مقدمات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رض کے سامنے پیش ہو کر فیصلہ ہو تا تھا اور یہ کسی روایت میں نہیں ہے۔ واذ لیس فلیس چہارم۔ یہ کہ حدیث صحیح مسلم کی صحیح ہے جیسے دوسری حدیث صحیح مسلم کی جابر رض بن عبداللہ رض صحابی سے ہے قال عطاء قدم جابر بن عبد اللہ معتمرا فجئناه فی منزله فسأله القوم عن اشیاء ثم ذکروا المتعة فقال نعم استمتعنا علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر و عمر انتهی وفی روایة اخری ای بعده ثم نهانا عمر فلم نعد لهما ای متعة النساء و متعة الحج (صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۱ ص ۴۵۱) باب نکاح المتعۃ۔ پس جو جواب اس جابر رض کی متعۃ النساء کے جواز و عدم کا جواب ہے وہی حدیث ابن عباس رض کا ہے اگر یہ جائز ہے تو پھر متعۃ النساء بھی جائز ہے ولا یقول به المحدثون۔ پنجم اس سے ثابت ہوا کہ یہ تین طلاقیں بحکم واحد یا متعۃ النساء۔ بالا بالا لوگ بے خبری میں کرتے تھے جس کا علم نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا نہ شیخین رض کو آخر میں حضرت عمر رض کو معلوم ہوا تو منع کر دیا ابن عباس رض کی اس حدیث پر محدثین نے اور بھی کئی وجوہ سے کلام کیا ہے جس کی تشریح کچھ تو امام نووی رح نے شرح مسلم میں کی ہے اور کچھ میں نے اپنی کتاب میں محدثین سے نقل کیا ہے۔ ششم۔ محدثین کی طرف مجلس واحد میں تین طلاق کو ایک شمار کرنے کی نسبت میں بھی کلام ہے یہ سخت مغالطہ ہے اصل بات یہ ہے کہ صحابہ رض و تابعین رح و تبع تابعین رح سے لے کر سات سو سال تک سلف صالحین رح صحابہ رض و تابعین رح و محدثین رح سے تو تین طلاق کا ایک مجلس میں واحد شمار ہونا ثابت نہیں من ادعی فعلیه البیان بالبرهان و دونه خرط القتاد ملاحظہ ہو موطا امام مالک رح صحیح بخاری سنن ابی داؤد سنن النسائی۔ جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ و شرح مسلم امام نووی رح و فتح الباری و تفسیر ابن کثیر رح و تفسیر ابن جریر رح و کتاب الاعتبار للامام الحازمی رح فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار اس میں امام حازمی رح نے ابن عباس رض کی مسلم کی اس حدیث کو منسوخ بنایا ہے اور تفسیر ابن کثیر رح میں بھی الطلاق مرتان الآیۃ کے تحت ابن عباس رض سے جو صحیح مسلم کی حدیث تین

طلاق کے ایک ہونے کا راوی ہے دوسری حدیث نقل کی ہے جو سنن ابی داؤد میں باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث بسند خود نقل کی ہے عن ابن عباسؓ ان الرجل کان اذا طلق امرأتہ فھو احق برجعتھا وان طلقھا ثلاثاً فنسخ ذلک فقال اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ عون المعبود ص۲۲۵ ج۲ امام نسائیؒ نے بھی اسی طرح ج۲ ص۱۰۱ میں باب منعقد کیا ہے اور یہی حدیث لائے ہیں اور دونوں اماموں نے اس پر سکوت کیا ہے اور دونوں کے نزدیک یہ حدیث صحیح اور حجت ہے جب ہی تو لاتے ہیں اور باب منعقد کیا ہے اور ابن کثیرؒ نے بھی سند ابی داؤد و نسائی و ابن ابی حاتم و تفسیر ابن جریر و تفسیر عبد بن حمید و مستدرک حاکم وقال صحیح الاسناد والترمذی مرسلاً و مسنداً نقل کر کے کہا ہے کہ ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ کی اس حدیث کو آیت مذکورہ کی تفسیر بتا کر اسی کو پسند کیا ہے یعنی یہ کہ پہلے جو تین طلاق کے بعد رجوع کر لیا کرتے تھے وہ اس حدیث سے منسوخ ہے پس یہ حدیث مذکور محدث ابن کثیرؒ و ابن جریرؒ دونوں کے نزدیک صحیح ہے جیسے کہ مستدرک حاکم میں صحیح الاسناد لکھا ہے اور قابل اعتماد ہے اور امام فخر الدین رازیؒ کی تحقیق بھی یہی ہے اور امام ابوبکر محمدؒ بن موسیٰؒ بن عثمان حازمیؒ نے کتاب الاعتبار میں اپنی سند سے نقل کر کے لکھا ہے فاستقبل الناس الطلاق جدیداً من یومئذ من کان منھم طلق او لم یطلق حتیٰ وقع الاجماع علی نسخ الحکم الاول ودل ظاھر الکتاب علی نقیضہ وجاءت السنۃ مفسرۃ للکتاب مبینۃً رفع الحکم الاول الخ ص۱۸۳) اور خود علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد مصری ج۲ ص۲۵۴ میں لکھا ہے تفسیر الصحابی حجۃ وقال الحاکم ھو عندنا مرفوع انتہیٰ۔ اور جب مسلم کی ابن عباسؓ کی حدیث مذکور اجماع کے خلاف ہوئی تو خود شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے قول سے بھی اس پر عمل نہ ہونا چاہئے اس لیے کہ فتاوی ابن تیمیہ جلد دوم ص۲۵۹ میں ہے والخبر الواحد اذا خالف المشھور المستفیض کان شاذاً وقد یکون منسوخاً انتہیٰ وھکذا کذلک فافھم و تدبر

اور سنن ابی داؤد کی نسخ کی حدیث کی سند میں راوی علی بن حسین اور حسین بن واقد پر جو علامہ ابن قیمؒ نے اعتراض کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ علی بن حسین کو تقریب التہذیب میں صدوق یہم لکھا ہے وہم کے باعث ابو حاتمؒ نے اس کی تضعیف کی ہے مگر امام نسائیؒ جو بڑے متشدد ہیں انہوں نے اور اور محدثین نے کہا ہے لیس بہ باس اور وہم سے کون بشر خالی ہے لہذا یہ کوئی جرح نہیں راوی معتبر ہے خصوصاً جب کہ محدثین مذکورین نے حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے اور حسین بن واقد کو تقریب میں ثقۃ لہ اوھام لکھا ہے اور یہ راوی رواۃ صحیح مسلم سے ہے اور یحییٰؒ بن معینؒ وغیرہ محدثین نے اس کو ثقہ بتایا ہے ملاحظہ ہو میزان الاعتدال باقی رجال دونوں کے ثقات ہیں لہذا یہ حدیث حسن صحیح ہے قابل عمل و حجت ہے اور خود راوی ابن عباسؓ کا فتویٰ بھی اس کی صحت کا مؤید ہے ملاحظہ ہو مؤطا امام مالکؒ وغیرہ اور یہ لغو اعتراض کہ یہ ابن عباسؓ کا سہو ہے تو اس کا جواب ہے کہ اگر ابن عباسؓ کو سہو ہو گیا تھا تو پھر ان کی مسلم کی حدیث میں بھی سہو ہے فالحجۃ فیہ اور امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں بحث کر کے جو اپنی تحقیق لکھی ہے وہ یہ ہے کہ آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ سے پہلے آیت وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ الیٰ قولہ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا الآیۃ ہے اس کے بعد ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ الآیۃ اس سے ثابت ہوا کہ پہلی آیت مجمل مفتقر الی المبین یا کالعام مفتقر الی المخصص تھی کہ بعول مطلقین (طلاق دہندہ خاوندوں) کو بعد طلاق حق استرداد یعنی رجوع ثابت تھا عام اس سے کہ ایک طلاق کے بعد ہو یا دو کے یا تین کے پس آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ نے واضح کر دیا کہ مُطَلِّق کو رجوع ایک یا دو طلاق کے بعد ہے اس کے بعد نہیں پھر آگے جامع ترمذی کی حدیث سے منع ثابت کیا ہے اور بعض اصحاب تفسیر کبیر سے اپنے مطابق قول کے بعد ھذا ھو الا قیس الخ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اس قول کو امام صاحب نے دوسرے سے نقل کر کے اس کا رد کیا ہے ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۲۴۸ اور وجوہ

کلام میں سے وجہ ہفتم یہ ہے کہ محدثین نے مسلم کی حدیث مذکور کو شاذ بھی بتایا ہے. ہشتم
یہ کہ اس میں اضطراب بھی بتایا ہے تفصیل شرح صحیح مسلم نووی فتح الباری وغیرہ مطولات میں
ہے. نہم یہ کہ ابن عباسؓ کی مسلم کی حدیث مذکور مرفوع نہیں یہ بعض صحابہؓ کا فعل ہے جس کو
نسخ کا علم نہ تھا کما فی الوجہ الثالث والرابع دہم یہ کہ مسلم کی یہ حدیث امام
حازمیؒ و تفسیر ابن جریرؒ و ابن کثیرؒ وغیرہ کی تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ حدیث بظاہر کتاب
وسنت صحیحہ و اجماع صحابہؓ وغیرہ ائمہ محدثینؒ کے خلاف ہے لہٰذا حجت نہیں.

اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق مجلسِ واحد کی
میں تین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہیں یہ مسلک صحابہؓ تابعینؒ و تبع تابعینؒ وغیرہ
ائمہ محدثین متقدمین کا نہیں ہے یہ مسلک سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے. جو
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتوٰی کے پابند اور ان کے معتقد ہیں یہ فتوٰی شیخ الاسلام نے
ساتویں صدی کے آخر یا اوائل آٹھویں میں دیا تھا تو اس وقت کے علماءِ اسلام نے ان
کی سخت مخالفت کی تھی نواب صدیق حسن خان مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں
شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں اس فہرست میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے
کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے تین طلاق کے ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتوٰی
دیا تو بہت شور ہوا شیخ الاسلامؒ اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ پر مصائب برپا ہوئے ان کو اونٹ
پر سوار کر کے دُرّے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی قید کئے گئے اس لیے کہ اس وقت یہ مسئلہ
علامت روافض کی تھی ص۳۱۸. اور سبل السلام شرح بلوغ المرام مطبع فاروقی دہلی ص ۹۸ ج ۲
اور التاج المکلل مصنفہ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ ص۲۸۶ میں ہے کہ امام شمس الدین
ذہبیؒ باوجود شیخ الاسلام کے شاگرد اور معتقد ہونے کے اس مسئلہ میں سخت مخالف ہیں التاج
المکلل ص۲۸۸ و ص۲۸۹. ہاں تو جب کہ متاخرین علماءِ اہلِ حدیث عموماً شیخ الاسلام ابن
تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ کے معتقد ہیں اس لیے وہ بیشک اس مسئلہ میں شیخ الاسلام سے
متفق ہیں اور وہ اسی کو محدثین کا مسلک بتاتے ہیں اور مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ مذہب محدثین

کلب ہے اور اس کا خلاف مذہب حنفیہ کا ہے اس لیے ہمارے اصحاب فوراً اس کو تسلیم کر لیتے ہیں اور اس کے خلاف کو رد کر دیتے ہیں حالانکہ یہ فتویٰ یا مذہب آٹھویں ہجری میں وجود میں آیا ہے اور ائمہ اربعہؒ کی تقلید چوتھی صدی آخر میں رائج ہوئی اس کی مثال ایسی ہے جیسے بریلوی لوگوں نے قبضہ غاصبانہ کر کے اپنے آپ کو اہل السنت والجماعت مشہور کر رکھا ہے اوروں کو خارج ۔ یا جیسے مولوی مودودی کی جماعت نے اپنے آپ کو جماعت اسلامی مشہور کر دیا ہے باوجودیکہ ان کا اسلام بھی خود ساختہ ہے جو چودھویں صدی ہجری میں بنا گیا ولعل فیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ واللّٰہ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ یَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (ابوسعید شرف الدین دہلوی) انتہی بلفظہ (فتاویٰ ثنائیہ جلد دوم صـ۴۳ تا صـ۴۶ مکتبہ اشاعت دینیات مومن پورہ بمبئی ۱۱) یہ مفصل عبارت ہر خدا خوف اور منصف مزاج غیر مقلد کو ٹھنڈے دل سے بار بار پڑھنی چاہیئے تاکہ ایک مجلس یا ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاقوں کا حکم اور اس کا پس منظر اور پیش نظر سب بیک وقت سامنے آجائے اور بعض علماء کی غلطی یا ضد کو اپنا مذہب بنا کر دارین میں فضیحت کا ساتھ دیگر دارین کی رسوائی میں مبتلا نہ ہوں اور عوام الناس کو بھی الجھن میں نہ ڈالیں سہ

نگہ پیدا کر اے غافل تجلّی عین فطرت ہے ۔۔۔ کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

فائدہ : بعض حضرات نے (ملاحظہ ہو فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صـ۵۴ وغیرہ) یہ کہا ہے کہ حضرت عمرؓ آخر میں اپنے اس فعل پر نادم ہو گئے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ حکم شرعی بھی نہ تھا اور صحیح بھی نہ تھا ورنہ ندامت کا کیا مطلب ؟ چنانچہ حافظ ابوبکر الاسماعیلی رہ مسند عمرؓ میں روایت بیان کرتے ہیں کہ ہم سے ابو یعلیٰؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے صالحؒ بن مالکؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے خالدؒ بن یزیدؒ بن ابی مالکؒ نے بیان کیا وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ حضرت عمرؓ بن الخطاب سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ :-

ما ندمت علی شیئ ندامتی علی ثلاث ۔۔۔ مجھے کسی چیز پر ایسی ندامت نہیں ہوئی جتنی کہ

ان لا اکون حرمت الطلاق الخ	تین چیزوں پر ہوئی ہے ایک یہ ہے کہ میں
(اغاثۃ اللہفان جلد ۱ ص ۳۲۶)	طلاق کو حرام نہ کر دیتا الخ

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر بات ہے کہ اس تحریم طلاق سے نہ تو طلاق رجعی مراد ہے کیونکہ وہ تو شرعاً جائز ہے اور اس سے وہ طلاق بھی مراد نہیں جو بحالت حیض اور اس طہر میں دی جائے جس میں مجامعت ہوئی ہو کیونکہ ان کی تحریم پر اجماع مسلمین ہے۔ اور طلاق قبل الدخول بھی نہیں کیونکہ اس کا جواز تو نص سے ثابت ہے۔

فتعین قطعاً انہ اراد تحریم ایقاع الثلاث الخ	لہٰذا قطعی طور پر یہ ثابت ہوا کہ اس سے اکٹھی تین طلاقیں
(اغاثہ جلد ۱ ص ۳۲۶)	دینے کی تحریم مراد ہے۔

الجواب:۔ یہ سب قصہ زی رلم کہانی ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں خالدؒ بن یزیدؒ بن ابی مالکؒ راوی ہے اگرچہ بعض محدثین نے ان کی توثیق کی ہے لیکن جمہور محدثین اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ امام یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ وہ لیس بشئی یعنی محض ہیچ ہے۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں اور امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں وہ ضعیف ہے۔ امام ابوداؤدؒ نے ایک روایت میں ان کو ضعیف کہا اور دوسری روایت میں منکر الحدیث فرمایا اور امام یعقوبؒ بن سفیانؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے اور اسی طرح محدث ابن جارودؒ، امام ساجیؒ اور حافظ عقیلیؒ نے اس کو ضعیف کہا۔ (محصلہ تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۲۷ و ص ۱۲۸)

امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ روایت کرنے میں صدوق تھا مگر۔

کان یخطئ کثیراً و فی حدیثہ	کثرت سے خطا کر جاتا تھا اور اس کی حدیث
مناکیر لا یعجبنی الاحتجاج بہ اذا	میں ثقہ راویوں کی مخالفت ہوتی تھی مجھے پسند
انفرد بہ عن ابیہ الخ	نہیں کہ جب وہ اکیلا اپنے باپ سے روایت کرے تو
(تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۲۷)	میں اس سے احتجاج کروں۔

اور امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ دو کتابیں ایسی ہیں جن کو دفن کرنا زیادہ مناسب ہے ایک تو عراق میں ہے جو ابن الکلبیؒ کی تفسیر ہے جس میں ابو صالحؒ عن

ابن عیاش کے طریق سے روایت کرتے ہیں اور دوسری علاقہ شام میں ہے پھر فرماتے ہیں کہ

واما الذی بالشام فکتاب الدیات لخالد بن یزید بن ابی مالك لم یرض ان یکذب علی ابیه حتی کذب علی اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اھ (تہذیب التہذیب جلد۳ ص۱۲۷)

بہرحال جو شام میں ہے تو وہ خالد بن یزید بن ابی مالک کی کتاب الدیات ہے وہ صرف اسی بات پر راضی نہ ہوا کہ اپنے باپ ہی پر جھوٹ باندھتا حتی کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ پر بھی کذب بیانی شروع کر دی

اور اس مذکورہ روایت میں بھی انہوں نے بظاہر حضرت عمرؓ پر جھوٹ باندھا ہے صد تعجب اور ہزار افسوس ہے حافظ ابن القیمؒ جیسے صاحب بصیرت عالم پر کہ وہ ایسے راوی کی روایت سے حضرت عمرؓ کی اس مسئلہ میں ندامت ثابت کر رہے ہیں اور لطف یہ کہ روایت بھی بڑی ہی مجمل ہے جس میں ایک طلاق یا تین کا کوئی ذکر ہی نہیں مگر حافظ ابن القیمؒ کے نزدیک یہ مراد قطعی ہے فوا اسفا۔ یہ یاد رہے کہ طلاق کی سینکڑوں صورتیں ہو سکتی ہیں جن کا جواز یا عدم جواز سے تعلق ہو سکتا ہے۔ پھر کیا ضروری ہے کہ یہی مجمل صورت متعین ہو اور وہ بھی قطعی طور پر۔ غرضیکہ نہ تو یہ روایت صحیح ہے اور نہ اس کا مطلب صریح ہے محض تنکوں کے سہارے یہ بحر بیکراں طے نہیں ہو سکتا۔

دوسری دلیل :-

حضرت رکانہؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے رکانہؓ تم رجوع کر لو۔ انہوں نے کہا کہ حضرت! میں نے تو بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں تم رجوع کر لو۔ (ابوداؤد جلد۱ ص۲۹۸ وسنن الکبریٰ جلد۷ ص۳۳۹)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ تین طلاقوں کے بعد بھی رجوع ثابت ہے اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت واقع نہ ہوں ورنہ رجوع کا کیا معنیٰ!؟

الجواب :۔ اس سے تین طلاقوں کے عدم وقوع پر استدلال صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے

کہ اس کی سند میں بعض بنی ابی رافع موجود ہیں جو مجہول ہیں چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ رکانہؓ کی وہ حدیث جس میں آتا ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دی تھیں وہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں مجہول راوی موجود ہیں (شرح مسلم جلد ۱ ص۴۷۸)

اور علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ بعض بنی ابی رافع مجہول ہیں اور مجہول سند سے حجت قائم نہیں ہو سکتی (محلی جلد ۱۰ ص۱۶۸) لہٰذا اس روایت کی سند ایسی نہیں کہ اس سے استدلال کیا جا سکے اور خصوصاً حلال و حرام کے مسئلہ میں اور وہ بھی قرآن و حدیث اور جمہور امت کے اجماع کے مقابلہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) فرماتے ہیں کہ مستدرک میں بعض بنی ابی رافع کی تعیین بھی آئی ہے کہ وہ محمد بن عبیداللہ بن ابی رافع تھے (بذل المجہود جلد ۳ ص۶۹) لیکن یہ نہایت ہی ضعیف اور کمزور راوی ہے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ اس کو منکر الحدیث اور امام ابن معین لیس بشئ اور امام ابو حاتمؒ اسکو ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث جداً کہتے ہیں۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ وہ متروک ہے علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ محدثین انکی تضعیف کرتے ہیں کہ وہ نہایت ہی ضعیف اور کمزور راوی ہے (میزان ج۳ ص۹۷، تہذیب التہذیب ج۹ ص۳۲۱)

اور محدث ابن عدیؒ انکو کوفہ کے شیعہ میں بیان کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۹ ص۳۲۱) جن کا مذہب پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہ تین طلاقوں کو ایک ہی تصور کرتے ہیں۔ اور ایک اور روایت میں بھی شیعہ راویوں نے گڑبڑ کی ہے چنانچہ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ جن راویوں نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے بحالت حیض اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں وہ سب کے سب شیعہ ہیں صحیح روایت یہ ہے کہ انہوں نے صرف ایک ہی طلاق دی تھی۔ (سنن دارقطنی جلد ۲ ص۴۲۷) اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ جس راوی کے بارے میں میں منکر الحدیث کہوں تو اس سے روایت کرنا جائز نہیں (محصلہ میزان الاعتدال جلد ۱ ص۵ طبقات سبکی جلد ۲ ص۹ و تدریب الراوی ص۲۲۵) گویا امام بخاریؒ کی تحقیق کے رُو سے اس روایت کا بیان کرنا ہی جائز نہیں ہے۔

وثانیاً۔ حضرت رکانہؓ کی صحیح روایت میں بجائے تین طلاق کے بتّہ کا لفظ ہے۔

چنانچہ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ۔

هذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانۃ طلق امرأتہ ثلاثا لانہم اہل بیتہ وہم اعلم بہ (جلد ا ص۱۰۱ وکذا فی سنن الکبریٰ جلد ۷ ص۳۳۹)	حضرت رُکانہؓ کی یہ روایت (جس میں بتّہ کا لفظ موجود ہے) ابن جریجؒ کی روایت سے زیادہ صحیح ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دی تھیں کیونکہ بتّہ والی حدیث ان کے گھر والے بیان کرتے ہیں اور وہ اس کو زیادہ جانتے ہیں۔

اور قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ

واثبت ما روی فی قصۃ رکانۃ انہ طلقہا البتۃ لا ثلاثا الخ (نیل الاوطار جلد ۶ ص۲۴۶)	حضرت رُکانہؓ کے واقعہ میں ثابت اور صحیح روایت یہ ہے کہ انہوں نے بتّہ طلاق دی تھی نہ کہ تین۔

امام نوویؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض رواۃ نے لفظ بتّہ کو تین سمجھ کر ثلاثا کا لفظ اپنی غلط سمجھ کے مطابق کہہ دیا ہے۔ (مسلم جلد ا ص۴۷۸)

الغرض اس روایت سے تین طلاقوں کا اثبات اور پھر تین کو ایک قرار دینا اور پھر چار ناچار رجوع کا حق دلانا ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا مصداق ہے اور حلال وحرام کے بنیادی مسئلہ میں ایسی ضعیف وکمزور اور مجمل روایتوں پر اعتماد بھی کب جائز ہے؟ اور پھر وہ بھی صحیح اور صریح روایات اور اجماع امت کے مقابلہ میں۔

تیسری دلیل

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت رُکانہؓ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دی تھیں جس پر وہ بہت ہی دلگیر اور پشیمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ تم نے کس طرح طلاق دی ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ تم رجوع کر لو الخ (مسند احمد جلد ا ص۲۶۵ وسنن الکبریٰ جلد ۷ ص۳۳۹) قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اسکی تخریج امام احمدؒ اور ابو یعلیٰؒ نے کی ہے اور امام ابو یعلیٰؒ نے اس کی تصحیح کی ہے (نیل ج۶ ص۲۴۶)

جواب :- یہ روایت بھی قابل احتجاج نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق واقع ہے ، امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں (ضعفاء صغیر للنسائی ص۵۲) امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (کتاب العلل جلد ا ص۴۲۳) امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ وہ قابل احتجاج نہیں محدث سلیمان تیمیؒ فرماتے ہیں کہ وہ کذاب تھا ، امام ہشامؒ بن عروہؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا امام یحییٰؒ بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے (میزان ج۲ ص۲۲) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا (تہذیب التہذیب جلد۹ ص۴۱ و تاریخ بغداد جلد ا ص۲۲۳) اور امام مالکؒ نے اس کو کذاب بھی فرمایا ہے (تاریخ بغداد جلد ا ص۲۲۳) امام خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ کے بارے میں امام مالکؒ کا کلام مشہور ہے اور حدیث کا علم رکھنے والوں میں سے کسی پر مخفی نہیں ہے (تاریخ بغداد جلد ا ص۲۲۴) علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ حلال و حرام کے بارے میں اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے . (تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص۱۶۳) اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاقؒ سے جب کہ وہ متفرد ہو احکام کے بارے میں احتجاج نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ جب وہ اپنے سے ثبت اور ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہو (محصلہ الدرایہ ص۱۹۳) . نواب صدیق حسن خانؒ ایک سند کی تحقیق میں جس میں محمد بن اسحاق آتا ہے لکھتے ہیں .

درسندش نیز ہماں محمد بن اسحاق است ومحمد بن اسحاق حجت نیست (دلیل الطالب ص۲۳۹) حافظ ابن رشدؒ فرماتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ کی یہ روایت وہم پر مبنی ہے کیونکہ ثقہ راوی یوں روایت کرتے ہیں کہ حضرت رکانہؓ نے اپنی بیوی کو بتہ طلاق دی تھی نہ کہ تین (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص۶۱)

وثانیاً اگر تنہا محمدؒ بن اسحاقؒ ہی اس سند کا راوی ہوتا تو اس کے ضعیف اور ناقابل احتجاج ہونے کے لیے یہی کافی تھا مگر غضب تو یہ ہے کہ اس سند میں داؤدؒ بن حصینؒ بھی ہے جو عکرمہؒ سے روایت کرتا ہے امام ابو زرعہؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف تھا . امام سفیانؒ بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس کی حدیث سے گریز کیا کرتے تھے . محدث عباس دوریؒ کہتے

ہیں کہ وہ میرے نزدیک ضعیف ہے (میزان جلد ا صـ۲۱۷) امام ابوحاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ قوی نہ تھا امام ساجیؒ فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث تھا ۔ محدث جوزقانیؒ کہتے ہیں کہ محدثین ان کی حدیث کو قابلِ تعریف نہیں سمجھتے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۳ صـ۱۸۱) اور امام علیؒ بن المدینیؒ اور امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ داؤدؒ بن حصینؒ کی روایت عکرمہ سے منکر ہوتی ہے۔ (میزان جلد ا صـ۲۱۷) اور یہ روایت بھی عکرمہؒ سے ہے۔ حافظ ابن حجرؒ ان سے متعلق یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ ثقۃ الّا فی عکرمۃ (تقریب صـ۱۱۶) کہ وہ ثقہ ہے مگر عکرمہؒ کی روایت میں ثقہ نہیں ہے۔ اسی لیے امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حجت قائم نہیں ہو سکتی (سنن الکبریٰ جلد ۷ صـ۳۳۹)۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث معلول ہے (تلخیص الجبیر صـ۳۱۹) علامہ ذہبیؒ اس روایت کو داؤدؒ بن حصینؒ کے مناکیر میں شمار کرتے ہیں (میزان جلد ا صـ۲۱۷) مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن القیمؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے (تعلیق المغنی جلد ۲ صـ۴۲۶) لیکن مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑیؒ فرماتے ہیں کہ مگر ابن قیمؒ کا یہ کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اسناد کے حسن ہونے سے حدیث اس وقت حسن ہو سکتی ہے جب حدیث میں کوئی اور عیب نہ ہو اور یہاں اور عیب موجود ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اس کو معلول کہا ہے۔ خاص کر جب امام احمدؒ کا فتویٰ بھی اس کے خلاف ہے تو پھر معلولیت کا شبہ اور پختہ ہو جاتا ہے انتہیٰ (ضمیمہ صـ۱۶)

یہ ہیں وہ روایات جن سے زمانہ حال کے غیر مقلدین حضرات قرآن و حدیث اور جمہور امت کے اجماع کے مقابلہ میں حرام کو حلال کرنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور مناظرہ پر مناظرہ کا چیلنج دیئے جاتے ہیں اور خم ٹھونک کر مکابرہ اور مجادلہ کرتے ہیں۔ فوا اسفا۔

الحاصل تین طلاقوں کو ایک قرار دینا اور غیر مدخول بہا کی متفرق طور پر دی گئی تین طلاقوں پر ہر مطلقہ کا حکم چسپاں کرنا نہ روایۃً ثابت ہے اور نہ درایۃً بلکہ یہ نری غلط فہمی اور وہم کا نتیجہ ہے جیسا کہ پہلے بحث گذر چکی ہے اور ایسی غلطی پہلے لوگوں کو بھی ہو جایا کرتی تھی مگر وہ با انصاف اور دیانت دار لوگ تھے اس لیے وہ غلطی پر آگاہ ہونے پر اس کو چھوڑ دیتے تھے،

مگر آج تو تعصب اور ضد کو چھوڑنا پسند نہیں کیا جاتا۔ اِلّا ماشاء اللہ تعالیٰ حضرت محمدؒ بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بعض ایسے راویوں نے جن پر مجھے اعتماد اور بھروسہ تھا یہ حدیث سنائی کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو بحالتِ حیض تین طلاقیں دیدی تھیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا تھا میں بیس۲۰ سال تک اسی غلط فہمی کا شکار رہا لیکن بعد کو مجھے ابو غلاب یونسؒ بن جبیرؒ نے جو نہایت ثقہ اور ثبت راوی تھے یہ روایت سنائی کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی تھی نہ کہ تین اور تین کی نسبت ان کی طرف غلط ہے (محصلہ مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۷۷ وسنن الکبریٰ صفحہ ۳۳۴) اس قسم کی غلط فہمی کا واقع ہو جانا کوئی مستبعد امر نہیں ہے مگر دلائل کے بعد اس پر جمود خالص تعصب ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہلِ اسلام کو اس سے محفوظ و مصون رکھے آمین۔

چوتھی دلیل

جو حضرات تین طلاقوں کو ایک کر دکھانے کے درپے ہیں، ان کا آخری حربہ یہ ہے کہ تین طلاقوں کو ایک کہنے والے بعض علماء حنفیہ بھی ہیں اگر یہ بات دلائل کے لحاظ سے قوی نہ ہوتی تو وہ ہرگز ایسا نہ کہتے اور مثال کے طور پر حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) کا نام گرامی پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولانا نے اپنے فتاویٰ میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا اور اس کے متعلق فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ لہٰذا تین طلاقوں کا ایک ہونا قوی اور حق مسلک قرار پایا اور اس پر عمل کرنا حدیث وفقہ دونوں پر عمل کرنا ہوا۔

(ملاحظہ ہو فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۵۲ وغیرہ)

جواب:۔ حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کے جس فتویٰ کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ ان کے مجموعۂ فتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۴۸۴ و صفحہ ۴۸۵ میں موجود ہے (اور یہ استفتاء ماہ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۰ھ) کا ہے مرسلہ مولوی محمد عثمان مدراسی خطیب و پیش امام جامع مسجد کھوسادل) اور وہ یوں ہے۔ استفتاء کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو حالتِ غضب میں کہا کہ میں نے طلاق دیا میں نے طلاق دیا میں نے طلاق دیا بس اس تین بار

کہنے سے تین طلاق واقع ہوں گی یا نہیں؟ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوں اور شافعی میں مثلاً واقع نہ ہوں تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورت خاص میں عمل کرنے کی رخصت دی جاوے گی یا نہیں؟ الجواب :۔ ہوالمصوب اِس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوں گی اور بغیر تحلیل کے نکاح نہ درست ہوگا مگر بوقت ضرورت کہ اُس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو تقلید کسی اور امام کی اگر کریگا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا نظیر اس کی مسئلہ نکاح زوجۂ مفقود و عدت ممتدۃ الطہر موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورۃ قول امام مالکؒ پر عمل کرنے کو درست کہتے ہیں۔ چنانچہ رد محتار میں مفصلاً مذکور ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ شخص کسی عالم شافعی سے استفسار کرکے اس کے فتوے پر عمل کرے۔ واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحی تجاوز اللہ عنہ۔ مگر اس سے استدلال باطل ہے، اوّلاً اِس لیے کہ یہ مسئلہ ظاہر قرآن اور حدیث سے مؤید اور مدلل ہونے کے علاوہ جمہور امت کے اجماع اور ائمہ اربعہؒ کے اتفاق سے ثابت ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں نہ تو اس میں امام مالکؒ کا کوئی اختلاف ہے اور نہ امام شافعیؒ کا اور نہ اُن کے معتمد اور مستند مقلدین علماء میں سے کسی کا۔ پھر اس مسئلہ کے بارے یہ کہنا کہ وہ شخص کسی عالم شافعی سے استفسار کرکے اس کے فتوٰی پر عمل کرے محض ہوائی قلعہ ہے اور یہ حضرت مولانا لکھنویؒ کا نرا وہم اور سرعت قلم کا نتیجہ ہے جس کی دلائل اور براہین کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ فقہاء احناف کے جم غفیر کے محقق اور مفتیٰ بہ قول کے سامنے اس کی کوئی وقعت ہے اور ظاہر امر ہے کہ حلال و حرام کے کسی مسئلہ کی بنیاد کسی عالم اور مفتی کی لغزش قلم اور وہم پر نہیں رکھی جاسکتی بلکہ دلائل اور براہین پر ہی رکھی جاسکتی ہے اور پھر یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مہمل فتوٰی الحاقی ہو جس کے الفاظ ہی اس کے غیر ذمہ دارانہ ہونے کا بیّن ثبوت ہے وثانیاً اگر یہ فتوٰی خود مولانا مرحوم کا اپنا بھی ہو تو یہ خود ان کے اپنے فتوٰی سے جو اس کے بعد کا ہے مردود اور باطل ہو جاتا ہے جس میں دلائل کے ساتھ انہوں نے بحث کی ہے اور یہ بعد کا فتوٰی جمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ کا ہے اور جس میں مستفتی

ایک شخص نے نہیں بلکہ خاصی جماعت نے ہم اس استفتاء اور اس کے جواب کو بعینہٖ نقل کرتے ہیں بغور و فکر سے ملاحظہ فرمائیں۔

استفتاء

ہم سب جماعت مسلمین سکنہ معسکر بنگلور بخدمت عالی جناب خیر و برکت مآب جامع الکمالات واقف الاحادیث والآیات علامۂ بنیل محدّث جلیل امام المسلمین مقدام المومنین صاحب الدلیل القوی سالک الطریق المستوی قامع الاعتساف محب الانصاف مولانا و مولی الاحناف حضرت ابو الحسنات الحاج المولوی الحافظ المفتی الواعظ الشیخ محمد عبد الحی الکھنوی دام بالفیض الصوری والمعنوی کے بصد عجز و نیاز عرض پرداز ہیں کہ اس مسئلہ میں ہم سبھوں کا جناب عالی کے فتوٰی پر فیصلہ ٹھہرا ہے اور یہاں کے علماء نے حضور کی تحریر پر اتفاق کیا ہے وہ یہ ہے کہ زید نے بیوی کو ایک مجلس میں تین مرتبہ کہدیا کہ تجھ پر طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے لیکن اُس نے غصے میں بلا نیت ایقاع طلاق ثلاثہ اور بدوں سمجھے معنی اور حکم اس الفاظ کے کہا ہے پس اس صورت میں طلاق ثلاثہ واقع ہو گی یا نہیں یہاں دو جماعتیں ہو گئی ہیں ایک جماعت کہتی ہے کہ مطابق حکم ظاہر احادیث کے واقع نہ ہوں گی اور ایک جماعت کہتی ہے کہ موافق تحقیق فقہائے محدثین کے واقع ہو گی پس آپ فرمادیں کہ اس بارے میں چاروں مذاہب کا کیا اختلاف ہے یا اس کے واقع ہونے پر مجتہدین اربعہ کا اتفاق ہے اور اس پر حدیث سے کیا سند ہے اور نہ واقع ہونے پر کون سی حدیث دلالت کرتی ہے اور پھر اس حدیث میں کیا علت تھی اور کون سی حدیث اس کے معارض ہوئی جو اہل مذہب نے چھوڑ دیا فقہ اور حدیث سے سب کے دلائل مع جرح و تعدیل روایات حدیث طرفین کے تحریر کیجئے اور جواب مفتٰی بہ ہے کہدیجئے کہ بجنسہٖ چھپ کر شائع ہوگا اور آپ کو اس میں اجر ملے گا۔

الجواب هو المصوب:۔ جو شخص تین طلاق دیدے اور مقصود اُس کو دونوں مرتبہ اخیر سے تاکید نہ ہو پس اس صورت میں بمذہب جمہور صحابہؓ و تابعینؒ و ائمہ اربعہؒ و اکثر مجتہدین رح و بخاریؒ و جمہور محدثینؒ تین طلاقیں واقع ہو جاویں گی البتہ بوجہ ارتکاب خلاف طریقہ شرعیہ کے

گناہ لازم ہوگا۔ موطائ امام مالک میں مروی ہے:۔ ان رجلاً قال لہٗ بن عباسؓ انی طلقت امراتی مائۃ تطلیقۃ فماذا تری فقال لہ ابن عباسؓ طلقت منک بثلاث وسبع وتسعین اتخذت بہا آیات اللہ ھزوا شرح معانی الآثار میں ہے عن عبد اللہؓ بن مسعود قال فی الرجل یطلق البکر ثلاثا انہا لا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ۔ موطا امام مالکؒ میں مروی ہے:۔ طلق رجل امراتہ ثلاثا قبل ان یدخل بہا ثم بدالہ ان ینکحہا فجاء یستفتی عبد اللہؓ بن عباسؓ وابا ھریرۃؓ فی ذلک فقالا لا نری ان تنکحہا الا ان تنکح زوجا غیرک قال فانما طلاقی ایاہا واحدۃ فقال ابن عباسؓ انک ارسلت ما کان لک من فضل اور ایسا ہی حکم حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے وکیعؒ نے روایت کیا ہے اور حضرت عمرؓ کا اسی امر پر اہتمام کرنا اور تینوں طلاقوں کے وقوع کا حکم دینا اگرچہ ایک جلسہ میں ہوں صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے اور یہی قول موافق ظاہر قرآن سے ہے۔ باقی وہ حدیث جو صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ وسنتین من خلافۃ عمرؓ طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمرؓ ان الناس قد استعجلوا فی امر کان لہم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیہم پس اس کی تاویل جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ اوائل میں تین مرتبہ طلاق کے لفظ اگر کہتے تھے تو اس سے تاکید منظور ہوتی تھی اس وجہ سے وہ ایک ہی ہوئے کذا ذکرہ النووی وابن الھمام وغیرہما واللہ اعلم حررہ المراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

(مجموعۂ فتاوی جلد ۱ ص ۲۹۳ تا ص ۲۹۵)

حضرت مولانا مرحوم کا یہ مفصل مدلل اور مبرہن فتویٰ بعد کا ہے اور مجمل اور غیر مدلل فتویٰ (جو پہلے عرض کیا جا چکا ہے) اس سے قبل کا ہے لہٰذا انما یؤخذ بالآخر فالآخر کے قاعدہ کے مطابق یہی آخری فتویٰ ان کا قابل اخذ اور معتبر ہے اور پہلا فتویٰ مردود ہے۔

علاوہ ازیں حضرت مولانا اپنی وفات سے تقریباً دو برس پہلے تقریباً ۱۳۰۲ھ میں یعنی اپنے پہلے فتوے کے بارہ سال بعد عمدۃ الرعایہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

القول الثالث ان الثلاث یقع بایقاعہ سواء کانت المرأۃ مدخولۃ بہا اوغیر مدخولۃ وھو قول جمہور الصحابۃؓ والتابعین والائمۃ الاربعۃ وغیرھم من المجتہدین واتباعھم اھ	تیسرا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے تین طلاقیں واقع کردیں تو تینوں ہی واقع ہوجائیں گی۔ عام اس سے کہ عورت سے ہمبستری کی گئی ہو یا نہ کی ہو اور یہی جمہور صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور ائمہ اربعہؒ وغیرہم مجتہدین اور ان کے اتباع کا قول ہے۔

(عمدۃ الرعایۃ جلد ۲ ص ۶۳ حاشیہ شرح وقایہ)

اور مولانا مرحوم نے باحوالہ اس قول اور مسلک کا اثبات کیا ہے اور دوسرے اقوال کو نقل کرکے ان کا مدلل جواب دیا ہے۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرات ائمہ اربعہؒ جن میں حضرت امام شافعیؒ بھی ہیں اسی کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں اور پہلے (مردود اور مرجوح) فتوے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حضرت امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اور اسی لیے اس فتوی میں اس کی تصریح ہے کہ مستفتی کسی عالم شافعی سے استفسار کرکے اس کے فتوے پر عمل کرے۔ جب اس مسئلہ میں حنفی اور شافعی کا سرے سے کوئی اختلاف ہی نہیں تو پھر شافعی عالم سے استفتاء کرنے کا اور اس کے فتوی پر عمل کرنے کا کیا معنیٰ؟ الغرض یہ تمام دلائل اس فتوی کے الحاقی یا مردود و مرجوح ہونے پر دال ہیں۔

مغالطات

تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں میں بزعم خود دلائل پیش کرنے میں حافظ ابن القیمؒ پیش پیش ہیں اعلام الموقعین، زاد المعاد اور اغاثۃ اللھفان وغیرہ میں انہوں نے صفحات کے صفحات اس مسلک کے صحیح اور حق ثابت کرنے کے لیے سیاہ کر ڈالے ہیں، ان کی طرف سے پیش کردہ دلائل کا جائزہ تو آپ لے کر ہی لیا ہے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے بعض اہم مغالطات کا تذکرہ بھی کردیں تاکہ اس مسئلہ کے جملہ گوشے

اجاگر ہو کر سامنے آجائیں۔

پہلا مغالطہ

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ اگر بات مردم شماری پر ختم ہوتی ہے تو ہم اس میں بھی تم پر غالب ہیں کیونکہ۔

ونحن نکاثر کم بکل صحابی مات الی صدر من خلافۃ عمر ویکفینا مقدمھم وخیرھم وافضلھم و من کان معہ من الصحابۃ علی علی عہدہ الخ (زاد المعاد جلد ۴ طبع مصر ص۶۲)

ہم ہر اُس صحابی کو شمار کر کے جو حضرت عمرؓ کی خلافت کی ابتدائی دور تک وفات پا چکے ہیں تم پر غالب آجائیں گے اور ہمیں ان سب کے مقدم بہتر اور افضل (یعنی حضرت ابو بکرؓ) اور جو ان کے ساتھ ان کے دور میں صحابی تھے کافی ہیں۔

الجواب:۔ یہ حافظ ابن القیمؒ کا نرا مغالطہ ہے اور اس سے ان کا مطلوب ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا اولاً اس لیے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت جو مسلم وغیرہ میں ہے وہ تو متنازع فیہا ہے جس میں تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا ذکر آتا ہے اور جس کی مفصل بحث عرض کر دی گئی ہے کیا اس روایت کے علاوہ حافظ ابن القیمؒ اور ان کے اتباع کسی صحیح اور صریح حدیث سے یہ بتا سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں تین طلاقوں کو ایک کیا گیا تھا؟ اگر ہے تو لائیے بسم اللہ بخلاف اس کے ہم باحوالہ ثابت کر چکے ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دی گئیں اور آپ نے ان کو تین ہی قرار دیا جب وہ ایسا کرنے سے قطعاً قاصر ہیں تو حضرت ابن عباسؓ کی مجمل اور مؤول روایت کے پیش نظر مردم شماری کا کیا مطلب؟ پہلے ان کو تین طلاقوں کو ایک کرنے کا صحیح اور صریح حوالہ دینا چاہیئے پھر حضرات صحابہ کرامؓ کی مردم شماری کرائیں۔ وثانیاً حضرت ابو بکرؓ کی خلافت دو سال اور چار ماہ تھی (اکمال ص۵۸۷) اور اس دور میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ کسی نے تین طلاقیں دی ہوں اور پھر ان کو حضرت ابو بکرؓ نے یا ان کی خلافت میں کسی اور نے ایک قرار دیا ہو اگر ہے تو صحیح اور صریح حوالہ درکار ہے اور پھر یہ بات بھی ملحوظ خاطر

یہ ہے کہ خیر القرون کے اس مبارک دور میں طلاق جیسی مبغوض ترین چیز کا ممکن ہے کہ تقریباً سوا دو سال کے عرصہ میں سرے سے کوئی واقعہ ہی پیش نہ آیا ہو اور اگر ہوا بھی ہو تو صرف برائے نام مثلاً دو چار واقعے ہوئے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ ان کا اس وقت اکثر صحابہ کرامؓ کو علم بھی نہ ہوا ہو اگر بالفرض تین کو ایک بھی قرار دیا گیا ہو تو پھر بھی اس پر تمام صحابہ کرامؓ کے اتفاق اور مردم شماری سے کیا فائدہ؟ وثالثاً حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں اگرچہ مختلف محاذوں پر جہاد ہوتا رہا مگر جنگ یمامہ کے سوا باقی محاذوں میں بہت کم صحابہ کرامؓ شہید ہوئے اور جنگ یمامہ میں بھی شہید ہونے والوں کی تعداد صحابہ کرامؓ کے طبقہ میں سینکڑوں سے متجاوز نہیں اور یہ مسئلہ بروایت حضرت ابن عباسؓ حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو یا تین سال میں جاری تھا کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا۔ اس دور میں کتنے صحابہ کرامؓ تھے جو شہید ہوئے یا فوت ہو گئے جن کو حافظ ابن القیمؒ بزعم خود ساتھ ملا کر مردم شماری بڑھانے کے درپے ہیں حضرت عمرؓ کے ایام خلافت میں رومیوں اور ایرانیوں کے ساتھ اور اسی طرح دوسرے علاقوں میں جہاد کرتے ہوئے نسبتہً کافی صحابہ کرامؓ شہید ہوئے اور اسی طرح طاعون عمواس اور دیگر مواقع میں کافی وفات پا گئے لیکن بایں ہمہ اس کے بعد بھی صحابہ کرامؓ کی اکثریت دیر تک رہی الغرض حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو تین سال میں حضرات صحابہ کرامؓ میں چند نفوس ہی شہید ہوئے یا طبعی طور پر وفات پا گئے اور وہ بھی غالباً اس مسئلہ سے بے خبر کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہے، پھر ان کی مردم شماری سے کیا حاصل؟ بخلاف اس کے جب حضرت عمرؓ نے تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا تو اس پر حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع ہوا اور کسی نے اس کے خلاف لب کشائی نہ کی حتیٰ کہ راوی حدیث حضرت ابن عباسؓ بھی حضرت عمرؓ اور اجماع صحابہؓ کے ہمنوا ہو گئے اور تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے رہے۔

حافظ ابن القیمؒ کا یہ فرمانا سراسر باطل ہے کہ:

لا یعرف فی عہد الصدیق احد ردّ ذالک	حضرت صدیقؓ کی خلافت میں اس کو رد کرنے والا اور
ولا خالفہ (اغاثۃ اللہفان جلد ا ص۲۸۹)	اس سے اختلاف کرنے والا کوئی معلوم نہیں ہو سکا۔

کیونکہ حافظ ابن القیمؒ کو پہلے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ فلاں صحیح اور صریح، مرفوع روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا گیا اور اس کے خلاف کوئی مخالف آواز نہیں اٹھی اس کے بغیر محض ہوائی قلعہ ہے بخلاف اس کے حضرت عمرؓ سے صحیح روایات سے تین کو تین قرار دینے کا ثبوت موجود ہے اور اس کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھی۔

دوسرا مغالطہ

حافظ ابن القیمؒ تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ایک لاکھ سے زیادہ حضرات صحابہ کرامؓ موجود تھے جنہوں نے آپ کو دیکھا اور آپ کا کلام سنا تھا کیا تمہیں اس پر قدرت ہے کہ تم ان سب سے یا ان میں دس سے یا اُن کے عشر عشیر یا ان کے عُشر عشیر در عشر عشیر سے یہ ثابت کر سکو کہ انہوں نے ایک دفعہ کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا ہے اگر تم اپنی پوری طاقت بھی صرف کر ڈالو تو تم بیس ۲۰ نفوس سے بھی کبھی یہ ثابت نہیں کر سکتے حالانکہ ان سے مختلف اقوال آئے ہیں۔

فقد صح عن ابن عباسؓ القولان و	بیشک حضرت ابن عباسؓ سے دونوں قول
صح عن ابن مسعودؓ القول باللزوم و	صحیح ہیں اور حضرت ابن مسعودؓ سے تین طلاقوں کو
صح عنه التوقف اھ	تین لازم کرنے کا قول صحیح ہے اور ان سے توقف
(زاد المعاد جلد ۴ ص ۶۲)	کا قول بھی صحیح ہے۔

الجواب۔ یہ بھی حافظ ابن القیمؒ کا نرا مغالطہ ہے کیونکہ ہم نے حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع پہلے باحوالہ عرض کر دیا ہے اور ہم حافظ ابن القیمؒ اور ان کے اتباع سے ان کے پیش کردہ اصول کے مطابق یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ بجائے بیس ۲۰ نفوس کے دس ۱۰ نفوس سے اور بجائے دس نفوس کے پانچ نفوس سے باحوالہ کسی صحیح صریح اور متصل روایت سے ثابت کر دیں کہ انہوں نے تین طلاقوں کو ایک قرار دیا ہے اور اس کے لیے قرن اسرافیل علیہ السلام تک مہلت ہے دیدہ باید۔ رہا یہ امر کہ حضرت ابن عباسؓ کے

دونوں قول صحیح ہیں یہ بھی حافظ ابن القیمؒ کا مغالطہ ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کا صرف ایک ہی قول صحیح ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں ہاں دوسرا قول ان کا یوں صحیح ہے کہ غیر مدخول بہا کی متفرق طور پر دی گئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہے جیساکہ امام بیہقیؒ وغیرہ کے حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے مدخول بہا کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا کوئی قول ان کا صحیح سند سے ثابت نہیں ہے من ادعیٰ خلافه فعلیه البیان بالبرهان۔

اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ کا صحیح قول اور صحیح روایت تین طلاقوں کے تین ہونے پر ہی دال ہے توقف کی روایت کسی صحیح اور متصل سند سے ثابت نہیں ہے اطبع آزمائی شرط ہے اور پہلے خود حافظ ابن القیمؒ کے حوالہ سے یہ بات عرض کی جاچکی ہے کہ بلاشک حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ سے تین طلاقوں کا تین ہونا ہی ثابت ہوچکا ہے اگر اس کے خلاف بھی ان سے کچھ ثابت ہے تو فقد صح بلا شك عن ابن مسعودؓ الخ کی روایت بلاشک کیسے صحیح ہوسکتی ہے ؟ کیا حافظ ابن القیمؒ کے نزدیک حلال وحرام جیسے اہم مسئلہ میں دو متضاد حکم اور روایتیں بیک وقت صحیح ہوسکتی ہیں ؟ یا بلاشک صحیح روایت کے مقابلہ میں توقف کی روایت بھی صحیح ہوسکتی ہے ؟ یہ حافظ ابن القیمؒ کا نرا وہم اور مغالطہ ہے ، اللہ تعالیٰ سوء فہم سے بچائے ۔

تیسرا مغالطہ

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اگر جمرات کی رمی دفعۃً سات سنگریزوں سے کی جائے تو وہ ایک ہی سمجھی جائیگی اسی طرح تین طلاقوں کو بھی ایک ہی سمجھنا چاہیئے ۔ (محصلہ اغاثۃ اللھفان جلد ۱ ص۲۰۱)

جواب :- اس سے بھی استدلال صحیح نہیں ہے ۔ اولاً اس لیے کہ جمرات پر کنکریاں مارنا اور ہر کنکری کے وقت اللہ اکبر کہنا ایک قسم کی عبادت ہے اس پر طلاق جیسی مبغوض چیز کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے وثانیاً جمرات پر کنکریاں پھینکنے کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا صریح ارشاد ہے ۔

ودمی الجمار تو ٔ (مسلم جلد ا ص۴۲۰) کہ جمرات کی رمی الگ الگ اور ایک ایک کر کے ہی ہونی چاہئے۔

بخلاف طلاق کے کہ اس میں متفرق اور مجتمع دونوں صورتوں کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اگرچہ مستحسن طریقہ طلاق میں بھی یہی ہے کہ ہر طہر میں ایک ایک ہونی چاہیئے مگر دفعۃً تین طلاقوں کا اعتبار بھی کیا گیا ہے۔ جیسا کہ باحوالہ بحث پہلے عرض کی جا چکی ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جمہور صحابہؓ اور جمہور امت کے اتفاق سے تین طلاقوں کا تین ہونا ثابت ہے مگر دفعۃً سات کنکریوں کی بیک وقت رمی سے فعل رمی کا ثبوت نہیں، لہٰذا طلاق کا اس پر قیاس ہرگز صحیح نہیں ہے وثالثاً۔ قطع نظر دوسرے مواقع کے حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً ہزاروں کی تعداد میں حضرات صحابہ کرامؓ نے آپ کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا اور جمرات کی رمی بھی کی مگر کسی ایک سے بھی صحیح اور صریح ثبوت نہیں کہ انہوں نے دفعۃً سات کنکریاں پھینکیں اور ان کو ایک شمار کیا گیا اس کے برعکس اس دور میں دفعۃً طلاقیں تین بھی دی گئیں اور ان کا اعتبار ہوا۔

چوتھا مغالطہ:۔

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ لعان میں اگر کوئی شخص بجائے چار مرتبہ شہادت دینے کے ایک ہی دفعہ یہ کہے کہ میں چار دفعہ شہادت دیتا ہوں تو اس پر اتفاق ہے کہ وہ ایک ہی شہادت تصور ہوگی۔ اسی طرح دفعۃً تین طلاقیں بھی ایک ہی ہوگی۔

(محصلہ اغاثۃ اللھفان جلد ا ص۳۰۱)

جواب:۔ اس سے بھی استدلال تام نہیں ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مرد یا عورت پر زنا کا الزام لگائے تو قرآن وحدیث کی تصریح کے مطابق اس کو چار گواہ قائم کرنے پڑیں گے اگر تین گواہ ہوں اور چوتھا مہیا نہ ہو سکے تو الزام لگانے والے کو اسّی کوڑے سزا ہوگی اور یہ حکم منصوص ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام عائد کرتا ہے اور گواہ موجود نہیں تو اس صورت میں لعان ہوگا جو ایسی شہادت اور گواہی کا نام ہے جس میں قسمیں لعنت کے لفظ سے ملی ہوئی ہوں اور یہ لعان خاوند کے حق میں حدِّ قذف

کے قائم مقام ہے اور عورت کے حق میں حدِ زنا کے قائم مقام ہے اور حدِ قذف اور حدِ زنا دونوں حدود کی مد میں ہیں اور آپ اس کو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ یہ چار شہادتیں چار گواہوں کے عوض میں ہیں ان میں الگ الگ چار گواہ مطلوب ہیں تین سے بھی کام نہیں چل سکتا تو پھر لعان میں شہادتیں بھی ایسی ہی سمجھئے علاوہ ازیں حدود میں معمولی شبہ کی بنا پر بھی حد کو ٹال دینا شرعاً مستحسن امر ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم الحدیث (الجامع الصغیر ص ۱۴ وقال صحیح) کہ مسلمانوں سے جتنا بھی تمہارے بس میں ہو حدود کو ٹالدو یعنی معمولی شک اور شبہ بھی ہو تو سزا نہ دو تو اس پر تین طلاقوں کے ایک ہونے کا قیاس باطل و مردود ہے کیونکہ طلاق تو مسخرہ سے بھی واقع ہو جاتی ہے اور جب ان میں اتنا واضح فرق موجود ہے تو ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

پانچواں مغالطہ

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص دن میں سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھے گا تو اس کے گناہ (جن کا تعلق حقوق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ صفدر) معاف ہو جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ جتنے بھی ہوں تو اگر کوئی شخص ایک ہی دفعہ کہے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ مائۃ مرۃ تو اس سے ایک دفعہ مراد ہوگی نہ کہ سو مرتبہ اسی طرح تین طلاقیں بھی جو دفعۃً دی جائیں ایک ہی تصور ہوگی، نیز حدیث میں آتا ہے کہ نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھنا چاہیئے تو اگر کوئی شخص ایک دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہ کہے اور ساتھ ۳۳ کا عدد لگادے تو وہ ایک ہی تسبیح گنی جائے گی۔ اسی طرح تین طلاقوں کو ایک سمجھا جائے گا (محصلہ اغاثۃ اللھفان جلد ۱ ص ۳۱۲ وقریب منہ فی زاد المعاد جلد ۴ ص ۵۲)

الجواب:۔ حافظ ابن القیمؒ کا یہ فرمانا بھی بالکل بے جا اور بیکار ہے۔ اولاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر فی نفسہٖ مطلوب و محمود ہے پھر اس پر طلاق جیسی مبغوض چیز کا قیاس

کرنا بے سُود ہے۔ وثانیاً اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح و تقدیس بیان کرنے کی کوئی آخری حد مقرر نہیں ہے وہ جتنا زیادہ ہو اتنا ہی پسندیدہ ہے اور ارشاد خداوندی یہ ہے کہ اُذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا اور صبح و شام دن اور رات ہر وقت اور قیام و قعود اور کروٹ پر لیٹے ہوئے ہر حالت میں مطلوب ہے۔ اس پر طلاق کو قیاس کرنا جس کی شرعاً حد مقرر ہے اور آخری حد تین ہے اور ہے بھی مبغوض بعید از انصاف ہے وثالثاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تسبیح یوں بھی ادا فرمائی ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَ خَلْقِہٖ۔ — اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اس کی مخلوق کی گنتی کے عدد میں۔

(ترمذی جلد ۲ ص۱۹۲ وقال حسن صحیح)

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اپنی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہؓ بنت حیی کے پاس گئے تو دیکھا کہ ان کے سامنے کھجور کی چار ہزار گٹھلیاں پڑی ہیں اور وہ ان پر تسبیح پڑھ رہی ہیں، آپ نے فرمایا کہ اے صفیہؓ بنت حیی تو کیا کر رہی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں تسبیح پڑھتی ہوں، آپ نے فرمایا کہ میں نے تو تیرے پاس کھڑے ہو کر اس سے زیادہ تسبیح پڑھ لی ہے وہ فرمانے لگیں حضرت مجھے بھی اس کی تعلیم دیں آپ نے فرمایا کہ۔

قولی سبحان اللہ عدد ما خلق من شئ — تو کہہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ہر اس مخلوق کی گنتی کے برابر جو اس نے پیدا کی ہے۔

(مستدرک جلد ۱ ص۵۴۷ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح)

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا

قولی سبحان اللہ عدد ما خلق فی السماء سبحان اللہ عدد ما خلق فی الارض الخ — تو کہہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اس مخلوق کی تعداد کے برابر جو اس نے آسمان میں پیدا کی ہے اور اس مخلوق کی تعداد میں جو اس نے زمین میں پیدا کی ہے۔

(مستدرک جلد ۱ ص۵۴۸ سکت عنہ الحاکمؒ وقال الذہبیؒ صحیح)

اور جامع المسانید جلد ص۱۱۶ میں ہے سبحان اللہ عدد ما خلق سبحان اللہ عدد ما فی السماء والارض سبحان اللہ عدد ما احصٰی فی کتابہ سبحان اللہ عدد کل شئ الخ۔

ان صحیح حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ایک دفعہ کہنے سے بھی اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کی گنتی کی مقدار میں تسبیح ادا ہو جاتی ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ ہرگز نہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کی گنتی کی مقدار پر سبحان اللہ اور اسی طرح اس مخلوق کی گنتی اور عدد کے برابر جو اس نے آسمان اور زمین میں پیدا کی ہے اس کی ذات پاک ہے بلکہ ساری مخلوق کو الگ الگ شمار فرماتے مثلاً تمام انسانوں میں سے ایک ایک کا نام لیتے اور اسی طرح فرشتوں اور جنوں میں سے ایک ایک شمار کرتے اور حتیٰ کہ آسمان و زمین کے ایک ایک ذرہ کو جدا جدا گنتے علاوہ ازیں معمولی سمجھ والا آدمی بھی اس امر کو بخوبی جانتا ہے کہ عدد اور گنتی میں جب دہائی، سینکڑہ اور ہزار وغیرہ ذکر کیا جاتا ہے تو یوں نہیں کرتے کہ ایک ایک اکائی کو الگ الگ اور جدا جدا بیان کریں بلکہ اگر ایک ہی دفعہ دس یا سو یا ہزار وغیرہ کہا جائے تو اس کو ایک نہیں قرار دیا جاتا اور نہ یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ ایک دفعہ اس نے مثلاً سو کہہ دیا ہے لہذا یہ ایک ہی تصور ہو گا بلکہ اس کو سو ہی سمجھا جاتا ہے اگرچہ وہ ایک ایک کر کے سو نہ کہے بلکہ دفعۃً سو کہہ دے یہی حال تین طلاقوں کا سمجھئے ہاں عیسائیوں کے قاعدہ کے مطابق تین کا ایک ہونا کوئی بعید بات نہیں ہے

چھٹا مغالطہ

حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ۔

لان قوله طلقتها ثلاثا بمنزلة قوله سلمت ثلاثا او اقررت ثلاثا او نحوه مما لا يعقل جمعه (زاد المعاد جلد ۴ ص ۵۹)	کیونکہ اس کا یہ قول کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں اس قول کی مانند ہے کہ میں نے تین دفعہ سلام کہا یا تین دفعہ اقرار کیا یا اس جیسی اور صورت ہو جس میں جمع کرنے کا معنیٰ نہیں سمجھا جا سکتا۔

الجواب: طلاق ایک ایسی چیز ہے جو حقیقت سے ہو یا مذاق سے دونوں صورتوں میں واقع ہو جاتی ہے اس میں اس کے رد کا اور طلاق دے کر اس کو واپس لے لینے کا کوئی اختیار ہی نہیں ہے ہاں طلاق رجعی میں طلاق دے چکنے کے بعد رجوع کا حق الگ چیز ہے لیکن اس کی یہ پوزیشن نہیں ہوتی کہ طلاق دینے والا طلاق سے رجوع کر لے اور

یہ تصور کرے کہ گویا میں نے طلاق ہی نہیں دی یہ صورت اس میں نہیں ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ (ابوداؤد ص ۲۹۸ ج ۱، ترمذی ص ۱۴۲ ج ۱، ابن ماجہ ص ۱۴۸ ج ۱ ومستدرک ص ۱۹۸ ج ۲ ودارقطنی ص ۴۳۲ ج ۲، والجامع الصغیر ص ۱۲۷ ج ۱ وقال حسن)

تین چیزیں حقیقت سے ہوں تب بھی حقیقت ہوتی ہیں اور دل لگی اور مسخرے سے ہوں تب بھی حقیقت ہی ہوتی ہیں نکاح، طلاق اور رجعت۔

اس سے معلوم ہوا کہ طلاق ایک ایسی چیز ہے کہ اگر مسخرہ اور دل لگی کے ساتھ بھی طلاق دیدی جلئے تو واقع ہو جاتی ہے بخلاف اقرار کے کہ اس میں آدمی کی مرضی کا دخل ہوتا ہے اور اقرار کر چکنے کے بعد اس سے انکار اور رجوع بھی کیا جا سکتا ہے مگر طلاق میں بایں معنی رجوع نہیں ہو سکتا کہ وہ واقع ہی نہ ہو ہاں واقع ہونے کے بعد طلاق رجعی میں رجوع کا مسئلہ جدا ہے اور عرفِ عام میں یہ رائج ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ نہیں سو دفعہ اقرار کرتا ہوں اور میری طرف سے فلاں کو لاکھوں سلام ہیں اور عرف عام میں اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ گویا اس نے سو دفعہ اقرار کر لیا اور لاکھوں مرتبہ سلام کہہ ڈالا باقی زنا وغیرہ کے اقرار کو عام اقرار پر قیاس کرنا مردود ہے کیونکہ اقرار بالزنا حدود کی مد میں ہے اور اس کا معاملہ ہی جدا ہے۔ اس میں بعض حضرات ائمہ کرامؒ کے نزدیک چار دفعہ الگ الگ مجلس میں اقرار کرنا اجراءِ حد کے لیے ضروری ہے اور یہ حدیث سے ثابت ہے (ملاحظہ ہو بخاری ص ۱۰۰۶ ج ۲)

ساتواںؔ مغالطہ

حافظ ابن القیمؒ حضرت ابن عباسؓ کی مسلم والی روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ۔

وھذا الحدیث قد رواہ عن ابن عباسؓ ثلاثۃ نفر طاؤس وھو اجل من روی عنہ وابو الصھباء العدوی وابو الجوزاء وحدیثہ،

یہ وہ حدیث ہے کہ جس کو حضرت ابن عباسؓ سے تین آدمی روایت کرتے ہیں، طاؤسؒ اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرنے والوں میں سب سے اجل ہیں اور ابوالصہباءؒ اور ابوالجوزاءؒ اور

عند الحاكم في المستدرك الخ
(اغاثہ جلد ۱ ص۲۸۵)

ان کی روایت امام حاکمؒ نے مستدرک میں روایت کی ہے۔

الجواب:- یہ بھی حافظ ابن القیمؒ کا زادِ وہم ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرنے والے ایک تو حضرت طاؤسؒ ہیں جیسا کہ مسلم و مستدرک وغیرہ کی روایت میں ہے اور دوسرے ابن ابی ملیکہؒ ہیں جیسا کہ مستدرک جلد ۲ ص۱۹۶ کی روایت میں ہے امام حاکمؒ اس کی تصحیح کرتے ہیں اور علامہ ذہبیؒ تلخیص المستدرک جلد ۲ ص۱۹۶ میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عبد اللہؒ بن مومّلؒ ہے اور محدثین کرامؒ اس کی تضعیف کرتے ہیں ضعفوہ مستدرک کی روایت میں ابوالجوزاءؒ صرف ایک سائل کی حیثیت سے ہے نہ کہ راوی کی حیثیت سے اور اسی طرح مسلم وغیرہ کی روایت میں ابوالصہباءؒ سائل ہے نہ کہ راوی۔ الغرض حضرت ابن عباسؓ سے بغیر حضرت طاؤسؒ کے کسی ثقہ راوی کی روایت صحیح نہیں ہے اور ابوالصہباءؒ اور ابوالجوزاؒ اس روایت کے راوی ہی نہیں محض سائل ہیں اور طاؤسؒ کی روایت کا بیان گذر چکا ہے۔

آٹھواں مغالطہ

بل لو شئنا لقلنا ولصدقنا ان هذا كان اجماعا قديما لم يختلف فيه على عهد الصديق اثنان ولكن لم ينقرض عصر المجمعين حتى حدث الاختلاف فلم يستقر الاجماع الاول حتى صار الصحابةؓ على قولين واستمر الخلاف بين الامة الى اليوم ثم نقول لم يخالف عمرؓ اجماع من تقدمه بل رأى الزامهم بالثلاث عقوبة لهم لما علموا انه حرام وتتابعوا فيه ولا ريب

بلکہ اگر ہم چاہیں تو کہہ سکتے ہیں اور ہم اس میں سچے ہیں کہ بے شک تین طلاقوں کے ایک ہونے پر پہلے اجماع تھا اور حضرت صدیقؓ کے زمانہ میں اس میں دو آدمیوں کا اختلاف بھی نہیں ہوا لیکن چونکہ ابھی تک اجماع کرنے والوں کا دور ختم نہیں ہوا تھا کہ اس میں اختلاف پیدا ہو گیا سو پہلا اجماع نہ ٹک سکا یہاں تک حضرات صحابہ کرامؓ کے دو قول ہو گئے اور امت کا اختلاف تا ہنوز چلا آرہا ہے پھر ہم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے پہلے لوگوں کے اجماع کی مخالفت ہی نہیں کی

ان هذا سائغ للائمة ان یلزموا الناس ماضیقوا به علی انفسھم ولم یقبلوا فیه رخصة اللہ عزوجل الخ (زاد المعاد جلد ۴ ص۶۲)

بلکہ انھوں نے تو لوگوں پر تین طلاقیں بطور سزا لازم کر دیں کیونکہ لوگ ان کی حرمت کو جانتے تھے پھر انھوں نے لگاتار طلاقیں دینا شروع کر دیں اور کوئی شک نہیں کہ جب لوگ اپنے اوپر تنگی کا التزام کر لیں اور اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کریں تو ائمہ کے لیے اس کے نفاذ کی گنجائش ہے۔

الجواب:۔ حافظ ابن القیمؒ جیسی فاضل شخصیت سے ایسی کمزور باتیں بھلی معلوم نہیں ہوتیں ملاحظہ کیجئے کہ بیچارے کس مخمصے میں پھنسے ہوئے ہیں ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ کے عہد خلافت میں تین طلاقوں کے ایک ہونے پر اجماع تھا اور اس میں دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا اور دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جو تین طلاقوں کو تین قرار دیا اس میں انھوں نے اپنے سے پہلے کسی اجماع کی مخالفت ہی نہیں کی ہاں یہ کاروائی انھوں نے سزا اور عقوبت کے طور پر کی ہے اگر یہ کاروائی حضرت عمرؓ نے عقوبۃً کی ہے تو معاذ اللہ تعالیٰ انھوں نے پہلے اجماع کی بدو وجہ مخالفت کی ہے۔ ایک تو اس لیے کہ تین کو ایک قرار دینے کے بجائے تین کو تین ہی قرار دیا اور دوسرے اس لیے کہ حضرت صدیقؓ کے عہد کے اجماع کو جس میں بقول ان کے دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا اور جو شرعی اجماع تھا (شرع کا لفظ حافظ ابن القیمؒ کے حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے) عقوبت اور سزا کی صورت میں بدل ڈالا پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت صدیقؓ (جو حضرات صحابہ کرامؓ میں سب سے بڑے عالم تھے اور جن کے بارے حضرات صحابہ کرامؓ یہ فرماتے تھے وکان ابوبکرؓ ھو اعلمنا (بخاری ج۱ ص۵۱۶) کے عہد میں جو اجماع منعقد ہوا تھا جس میں اولوا العزم حضرات صحابہ کرامؓ شریک تھے وہ

الیا علی رجل طائر نا پائدار ثابت ہوا کہ اجماع کرنے والوں کے جیتے ہی اس میں رخنہ پڑ گیا اور اجماع ایک اختلافی شکل اختیار کر کے دو قولوں میں بٹ گیا حتیٰ کہ اس کے

برعکس حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کے خلاف اجماع بھی منعقد ہو گیا اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد کے اجماع کے خلاف تو دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہ کیا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں تین طلاقوں کو تین قرار دینے کا جب فیصلہ صادر فرمایا اور اس پر اجماع واقع ہو گیا تو اس اجماع کے خلاف ایک آدمی نے بھی آواز نہ اٹھائی کہ حضرت پہلے اجماع تو اس کے خلاف ہے، آپ کیا کرتے ہیں؟ اور بقول حافظ ابن القیمؒ اس میں دو قول بھی تھے مگر دوسرے قول والے بالکل سو گئے، اس دوسرے قول کے اظہار کے لیے کسی ایک نے بھی لب کشائی نہ فرمائی؟ حافظ ابن القیمؒ کے اس بیان سے تو صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعد کو آنے والے پہلے ثابت شدہ اور مؤید بالعمل اجماع کے خلاف بھی اجماع قائم کر سکتے ہیں اگر یہی وتیرہ رہا ہو تو پھر اجماعی مسائل کا خدا ہی حافظ ہے اور ان کا یہ کہنا بھی بے معنی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کریں ائمہ کو حق حاصل ہے کہ وہ ان پر تنگی کریں مگر سوال یہ ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ کی متنازع فیہ حدیث کے علاوہ جس کی بحث گذر چکی ہے کون سی صحیح اور صریح حدیث اس مضمون کی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین طلاقوں کو ایک کرنے کی رخصت دی ہے اور اس کے خلاف فلقارنتگی کرنے کے مجاز ہیں؟ حافظ ابن القیمؒ جو یہ فرماتے ہیں کہ حتّی صار الصحابۃ علی قولین کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے دو قول ہو گئے، یہ بارِ ثبوت حافظ ابن القیمؒ اور ان کے اتباع پر ہے کہ وہ کسی صریح اور صحیح اثر کے حوالہ سے یہ ثابت کریں کہ فلاں اور فلاں صحابی نے تین طلاقوں کو ایک قرار دیا ہے اور جب ایسا نہیں تو دو قولوں کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔ بس اسی نہج کے اور بھی بعض مغالطات اور شبہات ہیں جن کا ارتکاب حافظ ابن القیمؒ جیسی شخصیت نے کیا ہے اور اپنے علمی مقام اور تحقیقی منصب سے بالکل گری ہوئی باتیں کہہ ڈالی ہیں اور حیرت ہے کہ حضرت محمودؓ بن لبیدؓ کی روایت (جس سے جمہور نے تین طلاقیں سمجھی ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے) کے سلسلہ میں وہ جمہور کو کوستے ہیں کہ اس سے ان کا استدلال اٹکل پچو بات اور محض تخمینہ ہے (من باب التکھّن والخرص) اور حدیث میں ایسی زیادت ہے جو اس میں نہیں ہے اور دلالت

کی کوئی قسم اس پر دال نہیں ہے لیکن مقلد کو اس سے کیا واسطہ وہ تو اپنی نصرت کے لیے جو چاہے کر سکتا ہے (محصلہ اغاثۃ اللھفان جلد ۱ ص ۲۱۵) مگر اپنے مغالطات کی طرف قطعاً توجہ نہیں فرمائی کہ وہ خود کیا فرما رہے ہیں؟ اور ان کی سینہ زاد باتوں میں کیا وزن ہے؟ اور آیا دلائل و براہین کے معیار پر وہ باتیں اُترتی بھی ہیں یا نہیں؟ یہ یاد رہے کہ حافظ ابن القیمؒ کی شخصیت اور مجموعی لحاظ سے انکی علمی خدمات کا ہمیں کوئی انکار نہیں، اور ان سے ان کی شان کے مناسب ہمیں بے حد عقیدت و محبت ہے گفتگو تو صرف ان کے بے جان اور بے وقعت اور بے وزن دلائل سے متعلق ہو رہی ہے جو انہوں نے اجماع امت حضرات ائمہ اربعہؒ اور جمہور محدثینؒ و فقہاء عظامؒ کے خلاف پیش کرنے کی بے جا سعی کی ہے حالانکہ جمہور کا اس مسئلہ میں جو نظریہ ہے وہ محض اجتہاد و قیاس پر ہی مبنی نہیں بلکہ قرآن و حدیث سے ماخوذ بلکہ مصرح ہے۔

دعا ہے کہ پروردگار تمام اہل اسلام کو حق پر قائم و دائم رکھے اور قرآن و حدیث اور جمہور علماء ملت کے دامن سے وابستہ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى وَسَلَّمَ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ الَّذِيْنَ نَشَرُوا الْاَحْكَامَ وَالدِّيْنَ وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ بِاِخْلَاصٍ وَّيَقِيْنٍ ۝

احقر الناس

ابوالزاہد محمد سرفراز

صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ و خطیب جامع مسجد گکھڑ

۱۷ شوال ۱۳۸۷ھ

۱۸ جنوری ۱۹۶۸ء

مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

خزائن السنن
تقریر ترمذی

احسن الکلام
مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی مدلل بحث

تسکین الصدور
مسئلہ حیات النبی پر مدلل بحث

الکلام المفید
مسئلہ تقلید پر مدلل بحث

ازالۃ الریب
مسئلہ علم غیب پر مدلل بحث

راہِ سُنت
رد بدعات پر لاجواب کتاب

مقام ابی حنیفہ

سماعِ موتیٰ

طائفہ منصورہ
نجات پانیوالے گروہ کی علامت

ارشاد الشیعہ
شیعہ نظریات کا مدلل جواب

آنکھوں کی ٹھنڈک
مسئلہ حاضر و ناظر پر مدلل بحث

عبارات اکابر
اکابر علماء دیوبند کی عبارات پر اعتراضات کے جوابات

صرف ایک اسلام

گلدستہ توحید
مسئلہ توحید کی وضاحت

دل کا سرور
مسئلہ مختار کل کی مدلل بحث

درود شریف
پڑھنے کا شرعی طریقہ

احسان الباری
بخاری شریف کی ابتدائی ابحاث

تبلیغ اسلام
ضروریات دین پر مختصر بحث

چراغ کی روشنی
معراج النبی کے بارہ میں تو دیانی وغیرہ کے اعتراضات کے جوابات

مسئلہ قربانی
قربانی کی فضیلت اور ایام قربانی پر مدلل بحث

عیسائیت کا پس منظر
عیسائیوں کے عقائد کا رد

مقالہ ختم نبوت
قرآن سنت کی روشنی میں

بانی دارالعلوم دیوبند
مولانا محمد قاسم دیوبندی کے حالات زندگی اور ان پر اعتراضات کے جوابات

راہ ہدایت
کرامات و معجزات کے بارہ میں صحیح عقیدہ کی وضاحت

ینابیع غیر مقلد عالم مولانا غلام رسول کے رسالہ تراویح کا اردو ترجمہ

آئینہ محمدی
سیرت پر مختصر رسالہ

تفریح الخواطر
بجواب تنویر الخواطر

اتمام البرہان
رد توضیح البیان

حلیۃ المسلمین
داڑھی کا مسئلہ

توضیح المرام
فی نزول مسیح علیہ السلام

تنقید متین
بر تفسیر نعیم الدین

شوق جہاد

الکلام الحاوی
سادات کے لئے زکوٰۃ وغیرہ لینے کی مدلل بحث

ملا علی قاری
اور مسئلہ علم غیب و حاضر و ناظر

المسلک المنصور

الشہاب المبین
بجواب الشہاب الثاقب

عمدۃ الاثاث
تین طلاقوں کا مسئلہ

شوق حدیث
حجیت حدیث پر مدلل بحث

انکار حدیث کے نتائج
منکرین حدیث کا رد

مودودی صاحب کا غلط فتوی

چالیس دعائیں

اخفاء الذکر
ذکر آہستہ کرنا چاہیے

باب جنت
بجواب راہ جنت

حکم الذکر بالجہر

اظہار العیب
بجواب اثبات علم الغیب

اطیب الکلام
ملخص احسن الکلام

چہل مسئلہ
حضرات بریلویہ

مولانا ارشاد الحق
اثری صاحب کا مجذوبانہ واویلا

مرزائی کا جنازہ اور مسلمان

عمر اکادمی کی مطبوعات

خزائن السنن
جلد دوم کتاب الصوم

بخاری شریف
غیر مقلدین کی نظر میں

حمیدیہ
مناظرہ کی کتاب رشیدیہ کا اردو ترجمہ

جنت کے نظارے
علامہ ابن القیم کی کتاب حادی الارواح کا اردو ترجمہ

رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں نوافل کی صورت میں مروجہ قضائے عمری بدعت ہے

تین طلاقوں کے مسئلہ پر مقالہ کا جواب مقالہ

علامہ کوثریؒ کی تانیب الخطیب کا اردو ترجمہ امام ابوحنیفہؒ کا عادلانہ دفاع